362

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی
حفظہ اللہ
مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

ستمبر ۲۰۱۳ء

مجلس التحقیق الاسلامی

۴ مصر: جبر و تشدد اور آزمائش کی راہ پر ...
۳۲ توحید سب سے پہلے، اے داعیانِ اسلام!
۸۵ حاجی شیخ ظہور الٰہی؛ ایک قابل اتباع نمونہ
۱۱۲ جامعہ لاہور اسلامیہ میں ہونیوالے خطابات کا خلاصہ

Lahore Institute for Social Sciences

In Collaboration / Affiliation with

IMAM MUHAMMAD BIN SAUD UNIVERSITY (RIYADH)

UNIVERSITY OF SARGODHA

Patron In Chief DR, SULEMAN ABDULLAH ABA AL-KHAIL Chairmen federation of the University of islamic world (FUIW) Chancellor Imam Muhammad Bin Saud University, Riyadh

SAUDI ARABIA SCHOLARSHIPS

MALE & FEMALE
SEPARATE CLASSES

- BA
- BBA
- B.COM
- BS ISLAMIAT ECONOMICS MASS COM.

Semester System

ADMISSION FOR MORNING & EVENING Till 20 Sep, 2013

- M.COM
- M.A ENGLISH ECONOMICS MASS COM ISLAMIAT URDU ARABIC
- MBA
- M.PHIL ISLAMIAT ECONOMICS

JOB OPPORTUNITIES IN Middle East

DR. HAFIZ HAMZA MADNI(Principal)
LISS (LIU) 91 Babar Block, New Garden Town, Lahore
URL: www.liu.edu.pk, E-mail: info.liu123@yahoo.com

Tel:042-35837339, 042-35852897 Mob: 0332-4581060 Fax: 042-35836016

ملتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

اعزازی مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

Only for SMS 0333-4213525

شمارہ ۳۶۲ جلد ۴۵ | ستمبر ۲۰۱۳ء، بمطابق شوال المعظم ۱۴۳۴ھ | عدد ۴

مجلس ادارت
ڈاکٹر حافظ انس مدنی — ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر — محمد کامران طاہر

فہرست مضامین

فکر و نظر
مصر: جبر و تشدد اور آزمائش کی راہ پر ... — ۴
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ایمان و عقائد
توحید سب سے پہلے، اے داعیانِ اسلام! — ۳۲
شیخ محمد ناصر الدین البانی

فقہ و عقائد
عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شرع میں تبدیلی ہے ② — ۵۷
حافظ صلاح الدین یوسف

اسلام اور پاکستان
نظریۂ پاکستان اور اس کا انکار — ۷۸
ڈاکٹر صفدر محمود

یادِ رفتگان
حاجی شیخ ظہور الٰہی؛ ایک قابل اتباع نمونہ — ۸۵
حافظ صلاح الدین یوسف
چند بھولی بسری یادیں — ۱۰۶
مولانا محمد یوسف انور

جامعہ کے شب و روز
جامعہ لاہور اسلامیہ میں ہونیوالے خطابات کا خلاصہ — ۱۱۲
آصف، طارق، خضر

ترسیل کی شکایات
محمد اصغر
03054600861

زر سالانہ =/۳۰۰ روپے
فی شمارہ =/ ۳۰ روپے

بیرون ملک
زر سالانہ =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/ ۲ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

042-35866476
35866396
Email:
muh@liu.edu.pk

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

Designing: Crystal Art 16BB Central Plaza Barkat Market, Lahore 03237471861-2

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

magazine.mohaddis.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مِصر جبر وتشدد اور آزمائش کی راہ پر!

جمہوریت کے ذریعے غلبہ اسلام؟ قابل غور پہلو اور مستقبل کے ملّی امکانات

سرزمینِ اسلام مِصر میں دوماہ سے آگ وخون کی ہولی کھیلی جارہی ہے۔ اسلامی جماعتوں کی واضح اکثریت پر مشتمل جمہوری حکومت جس میں صدارت کے منصب پر اخوان المسلمین کے ڈاکٹر محمد مرسی فائز تھے، کی جبری معزولی وگرفتاری پر قتل وغارت کا یہ سلسلہ شروع ہوا۔ قاہرہ کا 'التحریر سکوائر' سیکولر اور آزاد منش مصریوں نے سنبھال رکھا ہے جبکہ ۲۷ جون سے قاہرہ میں رابعہ عدویہ کی مرکزی مسجد وملحقہ میدان میں اسلامی کارکن ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ اڑتالیس گھنٹے کے نوٹس پر کہ صدر مرسی کو اپنے مخالفین کو مطمئن کرنا چاہئے، تین جولائی ۲۰۱۳ء کو مصری وزیر دفاع اور آرمی چیف جنرل عبد الفتاح سیسی نے زمامِ حکومت پر قبضہ جمالیا۔ ۷۲ فیصد نشستیں رکھنے والی ایک سالہ جمہوری حکومت پر اس کے سوا کوئی الزام نہیں دیا جاسکا کہ مصر میں معاشی ترقی میں کمی آئی ہے اور قوم کو [سیکولر حلقوں کے مطابق] تقسیم کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف مصری حکومت کی مفاہمانہ پالیسیوں کا یہ عالم ہے کہ اخوانی اور سلفی جماعتوں کی واضح اکثریت کے باوجود ۵۲ فیصد وزارتیں اُنہوں نے اپوزیشن میں تقسیم کیں۔ تاہم شراب نوشی، جسم فروشی، سرعام بوس وکنار اور نائٹ کلبوں پر پابندیاں لگائی گئیں اور سب سے بڑھ کر اسرائیل کے ہاتھوں بے موت مارے جانے والے فلسطینی علاقے غزہ کا راستہ اُنہوں نے مصر سے کھول کر یہودی لابی کو اپنے مخالف کرلیا اور مصری معاشرہ کو درجہ بدرجہ اسلام کی سمت بڑھانا شروع کردیا۔ مستقبل میں مرسی حکومت کی پیش قدمی اسلامی طرزِ حکمرانی کی ایک نمایاں مثال پیش کرتی دکھائی دی اور مغربی حکومتوں کو افغانستان کی طرح اپنے مفادات پر کاری ضرب لگنے کا قوی اندیشہ لاحق ہوا تو اُنہوں نے پہلے ہی مرحلہ میں فوج کو استعمال کرلیا۔

مصری فوج کی حالیہ تمام تر کاروائی پہلے سے طے شدہ اسرائیلی خفیہ اداروں سے ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔ اسرائیل کے معروف تجزیہ کار رونی وائیل کے بقول جنرل سیسی نے فوجی بغاوت کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مراحل پر موساد سمیت اسرائیل کے عسکری اور سٹریٹیجک ماہرین سے مشاورت کی ہے۔ ترک وزیر اعظم رجب طیب اُردگان نے بھی کہا ہے کہ اُن کے پاس اس اَمر کے ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ مصر میں فوجی بغاوت کے پیچھے اسرائیل کا ہاتھ ہے۔ اسرائیلی ذرائع ابلاغ کی ایک رپورٹ کے مطابق جنرل فتح نے صدر مرسی کے خلاف بغاوت کے نتیجے میں حماس کے مسلح ردعمل کی صورت میں اسرائیلی وزیر اعظم سے حماس کے خلاف محاذ کھولنے کی ضمانت حاصل کرلی تھی۔

۲۴ جون ۲۰۱۳ء کو فوج کی طرف سے سال بھر کا پہلا سخت پیغام صدر مرسی کے نام یہ تھا کہ فوج ملک میں جاری بے چینی پر خاموش نہیں رہے گی۔ اس وارننگ کے ٹھیک نو دن کے بعد فوج نے پہلے ہی ہلے میں منتخب صدر مرسی کو حراست میں لے کر نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا، اُن پر مصری فوج کے خلاف فلسطینی تنظیم حماس سے ساز باز کا الزام لگایا گیا اور اب ایک ایک ماہ کے وقفے سے اُن کی حراست کے دورانیے کو طویل کیا جارہا ہے۔

صدر مرسی نے عدلیہ میں فوجی آمر حُسنی مبارک کے حامی جج سیکولر حضرات کی اکثریت پر قابو پانے کیلئے اپریل کے مہینے میں جج حضرات کی ریٹائرمنٹ کی عمر ۷۰ سے کم کر کے ۶۰ برس کر دی تھی، عدلیہ تو پہلے ہی مرسی کے لئے مشکل فیصلے صادر کر رہی تھی، اس فیصلے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ یاد رہے کہ مصری سپریم کورٹ نے گذشتہ سال صدر مرسی کی صدارت کے دوسرے ہی مہینے اس پارلیمنٹ کو معطّل قرار دے دیا تھا جس میں اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے ۴۴ فیصد اور سلفی النور پارٹی کے منتخب ارکان ۲۴ فیصد تھے۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کو اُنہی دنوں صدر مرسی نے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے کالعدم کر دیا تھا۔

جنرل عبد الفتاح سیسی نے عدلیہ کے گٹھ جوڑ سے منتخب جمہوریت پر جو شب خون مارا ہے، اس کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ آئین سے قوت پانے اور اس کو تحفظ دینے والی عدلیہ کے سربراہ جسٹس عدلی منصور کو اُس بغاوت کا عبوری صدر چنا گیا ہے جس نے سب سے پہلا قدم آئین کو معطل کر کے اُٹھایا۔ ۳ جولائی کے غاصبانہ تسلط کے بعد مصر کے عوام مُصر ہیں کہ صدر مرسی ہی آئینی صدر ہیں، اور اُنہیں اس کے سوا کوئی اور حکمران قبول نہیں، مرسی نے بھی منصب سے عزل کو رڈ کر دیا ہے، اس کے لئے مصری غاصب حکومت ہر طرح کے حیلے بہانے اختیار کر رہی ہے۔ ملحد آمر حسنی مبارک کا دور واپس آگیا ہے، اُس سے سزاؤں کو ختم کیا جارہا اور اُس کے مخالفین پر راستے بند کئے جارہے ہیں۔

مصری عوام ہر طرح احتجاج کر رہے ہیں۔ دو ماہ کے عرصے میں کم از کم چار بار قابض فوج کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

طرف سے تشدد اور قوت کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے سیکڑوں مصری مسلمانوں پر کھلے عام فائرنگ کر کے اُنہیں منتشر کرنے کی کوشش کی گئی، ہزاروں کی تعداد میں لوگ زخمی کر دیے گئے۔ وہ سیکورٹی فورسز جو فرزندانِ وطن کو غیروں سے بچانے کے لئے بھرتی کی جاتی ہیں، اُن کی گولیوں کا نشانہ خود وہ مظلوم یا معصوم عوام بنتے رہے، جن کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے جمہوری اور اسلامی حق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مصر میں مخصوص اور محدود حلقوں کی طرف سے جاری 'تحریک تمرّد (بغاوت)' کے اگلے روز ۴ جولائی کو صدر کے حامی میدان رابعہ عدویہ اور نہضہ سکوائر میں بڑی تعداد میں جمع ہونا شروع ہوئے۔ جب عالمی میڈیا تحریر سکوائر میں سیکولر افراد کا اجتماع دکھا رہا تھا، اسی وقت مصر میں درجنوں مقام پر مرسی کے حامی اُس سے کہیں بڑی تعداد میں حمایتی مظاہرے کر رہے تھے۔ انہی دنوں قاہرہ میں مرسی کے ۳۲ لاکھ حامیوں نے چار مختلف مقامات پر ملین مارچ کا انعقاد کر کے احتجاج کی ایک نئی تاریخ رقم کر دی لیکن یہ احتجاج میڈیا کے من پسند کیمروں کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہے اور ان کو انسانوں کی بجائے کسی حقیر مخلوق کا اکٹھ سمجھا گیا۔

بغاوت کے پانچ دن بعد آٹھ جولائی کو صدارتی گارڈز کے بیرکوں کے قریب سیکورٹی فورسز نے خوف وہراس پیدا کرنے کے لئے مرسی کے حامیوں پر کھلی گولی چلا دی جس کے نتیجے میں مغربی ذرائع ابلاغ کے مطابق کم از کم ۵۱/افراد شہید اور ۴۳۵ زخمی ہوگئے۔ برطانوی جریدے 'دی گارڈین' کی رپورٹ کے مطابق احتجاج کرنے والوں پر یہ وحشیانہ فائرنگ رمضان سے ایک روز قبل، نمازِ فجر کے دوران صبح ۳:۲۵ منٹ پر کی گئی جب کہ شہید ہونے والے تمام افراد بالکل غیر مسلح تھے، اُن کو ناف سے اوپر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ ان میں سے اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی تھی، جن میں جامعہ ازہر کے پروفیسرز اور کئی ڈاکٹر و انجنیئر شامل تھے۔ 'دی گارڈین' کی رپورٹ کے مطابق فوجیوں نے کئی نمازیوں پر کھلا تشدد بھی کیا، اور گرد و نواح کی سڑکوں کو خون سے رنگ دیا۔

دوسری مرتبہ ۲۷ جولائی کو مسجد رابعہ عدویہ میں اخوان کے احتجاج کرنے والے مظاہرین پر فوجی کاروائی کے نتیجے میں ۷۰ سے زیادہ افراد کو شہید کر دیا گیا۔ نوائے وقت کی رپورٹ کے مطابق اخوان المسلمین کے دھرنے پر سیکورٹی فورسز کی اندھا دھند فائرنگ کے نتیجے میں ۱۲۰/ افراد جاں بحق ہوئے اور ۴۵۰۰/ افراد زخمی ہوگئے۔ ہلاکتوں اور زخمیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کہ قریبی ہسپتالوں میں گنجائش ختم ہونے پر اُن کے دروازے بند کر دیے گئے۔ میدانِ رابعہ کے ارد گرد فون اور انٹرنیٹ سروس بند کر دی گئی تاکہ عالمی میڈیا اس کی بآسانی کوریج نہ کر سکے۔ اس علاقے کی سڑکیں اور گلیاں خون آلود ہو گئیں۔ اسی روز مصر کے دوسرے شہروں سکندریہ وغیرہ میں بھی دسیوں افراد کو فورسز نے ہلاک کر دیا۔ فوج کی اس بربریت کی وجہ جنرل سیسی کا بیان اور فوج کو دی جانے والی وہ قانونی قوت ہے جس میں امن وامان قائم کرنے کے لئے وہ ہر قسم کا وحشیانہ اقدام کرنے کی مجاز ہے۔

وحشت وبربریت کا سامنا کرنے اور اس قدر قربانیوں کے باوجود اسلامی حکومت کے حامی اسی میدانِ شہادت میں ڈٹے رہے۔ سوا ۱۱/ اگست کو فوج نے ایک بار دھرنے کو ختم کرنے کی دھمکی دی اور اس کے لئے پھر پوری قوت استعمال کرنے کا اعلان بھی کیا تاہم یہ منصوبہ مؤخر کر دیا گیا۔ جس وقت اہل پاکستان ۱۴/ اگست کو یوم آزادی منا رہے تھے، اُسی دن بعد نمازِ عصر مصری عوام پر تیسری بار بدترین قتل وغارت مسلط کر دی گئی۔ ۱۴/ اگست کو سیکورٹی فورسز نے اسی مقام پر کھلی بربریت کے نتیجے میں کم از کم ۶۰۰/ افراد کو شہید کر دیا جبکہ ساڑھے سات ہزار لوگ شدید زخمی ہو گئے۔ اخوان المسلمین کے جاری کردہ اعداد وشمار کے مطابق شہدا کی تعداد ۲ہزار سے بھی متجاوز ہے۔ بی بی سی کے نامہ نگار جیریمی بوئن کا کہنا ہے کہ اُنہوں نے مرکزی احتجاجی کیمپ کے پاس واقع مسجد ایمان میں خود ۲۰۲ لاشیں دیکھی ہیں جن میں اکثر ہلاک شدگان کے نام سرکاری اعداد وشمار میں شامل نہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ ان میں اکثریت ان لاشوں کی ہے جو اتنی جلی ہوئی ہیں کہ اُن کی شناخت ممکن نہیں۔ اسی روز دوسرے صوبوں میں بھی قتل وتشدد کے نتیجے میں ۲۰۰ سے زائد افراد ہلاک کر دیے گئے۔ زخمی یا شہید ہونے والوں کے یہ اعداد وشمار وہ ہیں جو ہسپتالوں کی انتظامیہ نے شمار کئے، جبکہ درحقیقت مظلوموں کی یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

فوجی غاصبوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اخوان المسلمین کے سربراہ ومرشد ڈاکٹر محمد بدیع کو بھی حراست میں لے لیا، اُن پر مظاہرین کو احتجاج پر اکسانے کا الزام عائد کیا گیا جبکہ معمر اخوانی مرشد کے بیٹے بھی عسکری فورسز کی ان پر تشدد کاروائیوں میں شہید ہو چکے ہیں۔ اس سے قبل اخوان کے سیاسی ونگ 'جسٹس اینڈ فریڈم پارٹی' کے صدر محمد سعد کتاتنی بھی پابندِ سلاسل کر دیے گئے۔ اخوان کے مُرشدِ عام عموماً خطابِ عام نہیں کرتے، لیکن ان پر آشوب حالات

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں 'اخوان آن لائن' نامی ویب سائٹ پر ان کا باضابطہ اُسبوعی پیغام نشر ہوتا ہے۔ مصری غاصب حکومت کے ان اقدامات پر اُن پیغامات کا لب ولہجہ اس بیان سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اُنہوں نے وحشت وبربریت کے جواب میں غاصب حاکموں کو یہ پیغام دیا کہ

"ہم بھاگے نہیں کیونکہ ہم چور اچکے اور تشدد پسند نہیں۔ مصری فوج کا کام سرحدوں پر ملک کی حفاظت کرنا ہے اور ہمارا کام ملک کو ایک منتخب قیادت دینا ہے۔ آپ سرحدوں کی حفاظت پر واپس لوٹ جاؤ اور منتخب صدر کو صدارت لوٹا دو۔ ہم تمہاری گولیوں اور ٹینکوں سے زیادہ طاقتور ہیں۔ ہم اس وقت تک لاشیں اُٹھاتے رہیں گے جب تک مصر کے فرعونوں کو گھر نہیں بھیج دیتے۔"

ان الم ناک حالات میں نام نہاد مہذب دنیا خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے، مسلمانوں کے حکمرانوں اور او آئی سی کو بھی سانپ سونگھا ہوا ہے۔ عرب حکمران اس لئے دم سادھے بیٹھے ہیں کہ اُنہیں یقین نہیں کہ مصر کی یہ غاصب حکومت کب تک مسلط رہتی ہے، اس لئے ایسے حالات میں اُنہیں عدل وانصاف سے بڑھ کر مصری حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات پیارے ہیں۔ وہ ایک ملک کے حکمرانوں، چاہے وہ غاصب ہی کیوں نہ ہوں کے ساتھ تعلقات کشیدہ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ مصری فوج ہر طرح کوشش کر رہی ہے کہ کسی صورت ان کی غاصبانہ حکومت اور جبر وتشدد کی روش راہ پکڑ لے۔ حال میں اسمٰعیل بلیباوی کو عبوری وزیر اعظم نامزد کیا گیا ہے، اور اس نے ماضی کی برسر اقتدار اخوانی اور سلفی جماعتوں کو حکومت میں شریک ہونے کا لالچ دیا ہے لیکن ۴۲ اور ۲۴ فیصد اکثریت رکھنے والی ان سیاسی جماعتوں نے اس وقت تک کسی بھی عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے جب تک صدر مرسی کو بحال نہیں کیا جاتا۔ اخوان کے مرشدِ عام کی گرفتاری کو اسی انکار کے تناظر میں دیکھا جارہا ہے، اس انکار کے بعد وزیر اعظم نے اخوان کو تحلیل کرنے کی بھی دھمکی دی ہے۔ حکومت نے اگلے برس کے آغاز میں قومی اور پھر صدارتی انتخابات کا اعلان کیا ہے لیکن کوئی اس اعلان پر یقین نہیں کر رہا کیونکہ جبر وتشدد کے نتیجے میں ماضی کا نیوٹرل مصری بھی دینی جماعتوں کو اپنی تائید سے نوازے گا اور اخوانی وسلفی جماعتیں انتخابات کے نتیجے میں پہلے سے زیادہ اکثریت حاصل کریں گی۔ فوج کی ناعاقبت اندیش کاروائیوں نے مصری عوام کو پوری طرح لادینیت کے خلاف متحد کر دیا ہے۔ ان حالات میں فوجی حکومت سے کوئی نادان ہی یہ توقع کر سکتا ہے کہ وہ آزادانہ انتخابات کا خطرہ مول لے گی۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عوام پر شدید جبر و قہر سے اختلاف کرتے ہوئے، مصر کے عبوری نائب صدر، ایٹمی سائنس دان محمد براد عی نے حکومت کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا ہے، لیکن اپنے ساتھیوں میں نئے رجحان کی روک تھام کے لئے اور اپنے بدانجام سے خائف مصری حکومت نے اُلٹا اپنے مستعفی نائب صدر کے خلاف قتل وغارت کے اقدامات کا الزام عائد کر کے اُن کی واپسی پر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا ہے۔ مصر میں خانہ جنگی اس مقام پر پہنچ رہی ہے کہ اگر اس کا راستہ نہ روکا گیا تو عین ممکن ہے کہ امریکہ، نیٹو کی چھتری تلے وہاں 'افواجِ امن' اتار کر، مصر کی صورتحال کو مزید مخدوش کر دے، جیسا کہ شام میں گمراہ حکومت کے ہاتھوں جاری اہل سنّت کے بہیمانہ قتل عام کے بعد امریکی وزیر دفاع چک ہیگل انہی دنوں اس کی دھمکی دے چکے اور بحری بیڑے روانہ ہو چکے ہیں۔ تب مصری قوم کا مستقبل اُن کی بجائے مغربی اقوام کے ہاتھ میں ہو گا۔

پہلے مصری فوج کو ہلہ شیری دی گئی، بغاوت کے ابتدائی ایام میں ذو معنی خاموشی اختیار کی گئی۔ باخبر لوگوں کو یاد ہو گا کہ صدر مرسی کی دی گئی مہلت کے آخری گھنٹوں میں جنرل سیسی براہ راست امریکی وزیر دفاع کے ساتھ رابطے میں رہے۔ امریکہ، اسرائیل اور مغربی حکومتوں کی آشیر باد سے حکومت پر قبضہ جمانے اور خون آشام کاروائیاں کر کے مصر میں تشدد کو رواج دے دینے کے بعد ماضی کی منافقانہ روایات کے عین مطابق، امریکہ نے جنرل سیسی کی تائید سے ہاتھ کھینچنا شروع کر دیا ہے اور یہ قرار دیا کہ ڈیڑھ ارب ڈالر کی وہ امداد جسے دو ماہ قبل اسرائیل نے ترغیباً شروع کرایا تھا، ایسے سنگین حالات میں جب وہاں آگ وخون کی ہولی کھیلی جارہی ہو، ہم جاری کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ صورتحال کی اس پیچیدگی کو بھانپتے ہوئے سعودی وزیر خارجہ سعود الفیصل نے مصری غاصب حکومت کو مدد دینے کا اعلان کر دیا ہے کہ ہم ایسے حالات میں مصر کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔[1] اس سے قبل یہی امریکہ تھا جس نے ۲۰۱۱ء کے بجٹ میں کانگریس سے مصر میں بظاہر جمہوریت کے قیام اور درپردہ امریکی مفادات کے لئے

---

۱ "امریکی صدر بارک اوباما نے مصر کے لئے فوجی امداد ختم کرنے کا عندیہ دے دیا ہے۔ یورپی یونین کے ۲۸ وزرائے خارجہ کی ہنگامی ملاقات بھی آج متوقع ہے جس میں مصر پر تجارتی پابندیاں لگائے جانے پر غور کیا جائے گا۔ دوسری جانب سعودی عرب کے وزیر خارجہ شاہ سعود الفیصل نے کہا ہے کہ اگر مغربی ممالک نے مصر کی امداد روکی تو تمام عرب اور اسلامی ممالک مصر کی بھرپور مدد کریں گے۔ ادھر مصر کے متعدد شہروں میں چھٹے دن بھی کرفیو سے شہریوں کو شدید پریشانی کا سامنا رہا۔" (روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۲۱/ اگست ۲۰۱۳ء)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

۱۱۸ ملین ڈالرز کا بجٹ منظور کرایا۔ قطر کے الجزیرہ ٹی وی کی ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق امریکی محکمہ خارجہ کے زیر اہتمام چلنے والے یو ایس ایڈ، بیورو آف ڈیموکریسی، ہیومن رائٹس اینڈ لیبر، نیشنل انڈومنٹ فار ڈیموکریسی (NED) وغیرہ اداروں نے فریڈم ہاؤس، انٹرنیشنل ری پبلکن انسٹیٹیوٹ، نیشنل ڈیموکریٹک انسٹیٹیوٹ جیسے اداروں کے ذریعے مصر میں صدر مرسی کے مخالفین میں کروڑوں ڈالرز کے فنڈ تقسیم کئے، ایسے ہی مصری این جی او 'ڈیموکریٹک اکیڈمی' کی سربراہ اسرٰی عبد الفتح کو بھی منتخب جمہوری حکومت کے خلاف استعمال کیا گیا۔ امریکی حکومت نے مرسی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے نام نہاد سیاسی، رفاہی اور سیاسی تنظیموں کو ہی استعمال نہیں کیا بلکہ مبارک حکومت سے وابستہ مفادات کے حامل سرمایہ دار، مصری پولیس کے مفرور مجرم، مصری مساجد اور علما کے خلاف ماضی میں مسلح کاروائیاں کرنے والی گروہوں اور میڈیا کے لبرل عناصر بھی شامل ہیں۔ امریکہ کی مشرقِ وسطیٰ کے لئے سالانہ چار ارب ڈالر امداد کی مدد سے قاہرہ اور اسکندریہ میں مرکوز مصر کی ۹ فیصد عیسائی اقلیت، اور اسلام بیزار مغرب زدہ طبقوں کو بھی منظم کیا گیا۔ مصر کی ہر لمحہ بدلتی صورتحال، بڑی پیچیدہ ہوتی جارہی ہے، اور پوری دنیا بالخصوص مسلم اُمّہ کی نظریں مصر کے حالات پر ہیں۔

تبصرہ و تجزیہ

غاصب حکومت کی طرف سے روا رکھے جانے والا بدترین جبر و تشدد، عسکری عمائدین اور مغربی تہذیب کے علم برداروں کے منہ پر طمانچہ ہے، جو آئے روز اسلام اور اہل اسلام کو روا داری اور توازن و اعتدال کا درس دیتے نہیں تھکتے۔ جمہوریت کی ہر دم مالا جپنے والی نام نہاد عالمی برادری نہ صرف خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہی بلکہ کہیں درپردہ اور کہیں کھلم کھلا مصری غاصبوں کی پیٹھ ٹھونکی گئی، بغاوت کے دو ہفتوں کے بعد امریکہ نے مصر کو ایف سولہ طیارہ دینے کا اعلان کرکے فوج کو اپنی مدد کا یقین دلایا۔ میڈیا پر دیکھیں تو جمہوریت کی تلقین کرنے والے اس غیر جمہوری عمل کا ہر ممکن ایسا جواز پیش کررہے ہیں جس سے اُن کی حقیقی ترجیحات اور مقاصد چھپائے نہیں چھپ رہے۔ مصر کی اس الم ناک صورت حال میں اہل اسلام کے لئے سمجھنے اور سیکھنے کے بہت سے پہلو موجود ہیں۔

آج کی بزعم خود مہذب کہلانے والی دنیا اور جمہوریت، رواداری اور انسانی حقوق کا درس دینے والے عالمی اداروں کے یہ صرف ظاہری نعرے ہیں، ان کے درپردہ رویّے ماضی کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

فرعونیت اور قہاریت سے بالکل مختلف نہیں۔ یہ وہ خوبصورت چہرہ ہے جو اپنے مذموم مقاصد کے لئے اُنہوں نے سامنے سجا رکھا ہے، لیکن در حقیقت آج بھی کفر والحاد نہ صرف متحد ہے، بلکہ اسلام کے خلاف اُٹھنے والی ہر کوشش میں وہ یکجا نظر آتے ہیں۔

مصر میں ایک سال تک حسنی مبارک کی منظورِ نظر اعلیٰ عدلیہ نے ڈاکٹر محمد مرسی کی جمہوری حکومت کو کسی طرح چلنے نہیں دیا۔ منتخب پارلیمنٹ کو معطّل کرنے، اخوان کے نو تشکیل شدہ دستور کو کالعدم قرار دینے کے بڑے اقدامات سے لے کر ہر معاملے میں وہ منتخب حکومت کی مخالفت کرتے رہے۔ مصر کے برسہا برس سے پروان چڑھنے والے لادین میڈیا نے مرسی کی حکومت کے خلاف ہر طرح کے انتشار کو نمایاں کرنے اور دین بیزار مصریوں کو جمع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ عالمی برادری بشمول ملّتِ اسلامیہ کے نامور ممالک نے مرسی کی حکومت سے وہ ہمدردانہ رویہ نہیں رکھا، جو والہانہ پن اور محبت ابھی حال میں آنے والے غاصبانہ حکمرانوں کو دی جارہی ہے۔ امریکہ کی سرپرستی میں نام نہاد عالمی برادری نے ایک سال کے عرصے میں مصر کا معاشی ناطقہ بند کئے رکھا اور عالمی اداروں نے تعاون کا ہر ممکن راستہ مسدود کردیا۔ مرسی کے ایک سالہ مشکل دورِ حکومت میں اُنہیں سعودی عرب سے چار اور قطر سے تین ارب ڈالر کی امداد کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا، جبکہ غاصب حکومت دو ماہ میں اس سے کہیں زیادہ گرانٹیں پاچکی ہے۔ مرسی کو اپنی حکومت میں مغرب کے اسی رویے کا سامنا کرنا پڑا جو قبل ازیں فلسطین میں اکثریت سے منتخب ہونے والی حماس کی جمہوری حکومت سہہ چکی ہے۔

اخوان المسلمین کے اعلیٰ رہنما عامر دراغ کے مطابق

> "تمام تر جمہوری تقاضے پورے کرنے کے باوجود اُن کے پاس حکومتی اختیارات نہ ہونے کے برابر تھے، حسنی مبارک دور کی فوج، پولیس اور نوکر شاہی نہ صرف احکامات کی تعمیل سے انکاری تھی، بلکہ ملک میں امن وامان کی بحالی اور لوٹ مار کو روکنے کی کوششوں میں روڑے اٹکا رہی تھی۔ ان ریاستی ستونوں کے ساتھ ساتھ حسنی مبارک سے ذاتی وفاداری کی بنا پر مسلط کی گئی عدلیہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے حکومت کے ہاتھ باندھے ہوئے تھی۔"

عدلیہ کے جانبدارانہ فیصلے، لبرل میڈیا کی انتشار پسندانہ پالیسی، عالمی قوتوں کی سرد مہری بلکہ نفرت پر مبنی اقدامات نے مصری فوج کے لئے بآسانی وہ حالات پیدا کردیے کہ پہلی ہی وارننگ

magazine.mohaddis.com

پر اُنہوں نے بساطِ حکومت لپیٹ کر اعلیٰ عدلیہ کے اشتراک سے جمہوریت پر شب خون مار لیا۔ جنرل سیسی نے چیف جسٹس عدلی منصور کو سربراہِ حکومت قرار دے کر، یہ واضح کر دیا کہ یہ سب ایک گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے اور عدلیہ کو اہم ترین عہدہ دے کر گویا اس اقدام کے قانونی حیثیت کے جائزہ لینے کا راستہ بھی اُنہوں نے مسدود کر دیا۔

غاصب حکومت نے جس عجلت میں حکومت پر قبضہ جمایا، جب کہ باوجود بھرپور کوشش کہ وہ صدر مرسی کی حکومت پر کوئی واضح الزام عائد کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی، اس سے ان کی اخلاقی کمزوری اور حالات پر عدمِ کنٹرول کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مادی ترغیبات، اور دنیوی تعیشات میں لتھڑے ہوئے لوگ، اس جواں مردی اور جذبہ و حمیت سے تبدیلی کا کبھی مستحکم تقاضا نہیں کر سکتے اور دنوں میں بکھر جاتے ہیں۔ مصر میں 'تحریک تمرد' کی اخلاقی حیثیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۹ جون تا ۲ جولائی ۲۰۱۳ء کے دوران قاہرہ کے 'التحریر سکوائر' میں ہونے والے تین روزہ سیکولر احتجاج میں عالمی خبر رساں اداروں کے مطابق ۹۶ خواتین کو اجتماعی عصمت دری کا نشانہ [1] بنایا گیا اور اس پر مصر میں حقوقِ نسواں کے لئے کام کرنے والی تنظیمیں واویلا کر رہی ہیں۔ بعد ازاں غاصب حکومت کا، آغازِ کار میں بعض دینی تنظیموں کو اپنے ساتھ اقتدار میں شریک کرنے کا جھانسہ دینا، اخوان المسلمین کو ثالثی کے لئے آمادہ کرنا، شیخ الازہر کی سربراہی میں مفاہمت کمیٹی کا قیام، اور مصری عوام سے آئے روز کی جانے والی اپیلیں یہ واضح کرتی ہیں کہ غاصب اپنے انجام سے کس قدر پریشان اور اُس کے لئے ہر طرح ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ پھر میدانِ رابعہ عدویہ میں اخوان کے احتجاجی اور مکمل پر امن دھرنوں سے اُن کی اپیلیں اور آخر میں ان پر بدترین تشدد، نامور قائدین کو دھمکانا، ان کے عزیزوں کو شہید کرنا، اور اُن کو گرفتار کر لینا وغیرہ جیسے سنگین اقدامات حکومتی عناصر کی کمزوری اور ہر صورت میں حالات میں قابو پانے کی ناکام کوششوں کا مظہر ہیں۔

عالمی اداروں کی تحریص و ترغیب تو سمجھ میں آتی ہے کہ مصر جیسا اہم مسلم ملک اگر اُن کے ہاتھ سے نکل کر اسلام کا گہوارا بن جاتا ہے تو اس سے مغربی و امریکی غلبہ اور عالم اسلام میں ان کے مفادات پر کاری ضرب لگتی ہے۔ آج شام پر ہونے والی ممکنہ عالمی جارحیت میں مصر کی

1 'ہیومن رائٹس واچ، نیویارک' کی رپورٹ: Egypt Epidemic of Sexual Violence

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اسلامی حکومت سے قائدانہ کردار کی توقع ہوتی۔ اُن کی ہر ممکنہ کوششوں کی وجوہات واضح ہیں لیکن ملتِ اسلامیہ کو حقیقی افسوس تو مصر کی معتبر ترین مذہبی قیادت شیخ الازہر احمد الطیب سے ہے، جنھوں نے شرعی مصالح اور گھمبیر حالات کا گہرا اِدراک کئے بغیر غاصب حکومت کے جواز کا فتویٰ جاری کر دیا۔ یہ وہ پہلا شب خون تھا جو گھر کے اندر سے کیا گیا، پھر اس کے بعد سعودی حکومت کی طرف سے غاصب حکومت کو مبارکباد اور اس کی مالی امداد کا اعلان، بعد کے دنوں میں بھی بے مقصد بیان بازی جس سے مظلوم حکمرانوں کو کوئی تائید حاصل نہ ہو سکے۔ افسوس اس پر بھی ہے کہ او آئی سی اور عرب تنظیم وغیرہ کی طرف سے آج تک کوئی معقول اقدام سامنے نہیں آیا۔ پاکستان کی حکومت سے بھی مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ مصر میں جمہوری حکومت پر مارے والے اس شب خون کی مذمت کرے، جب کہ بارہ برس قبل وہ خود ایسے ہی المیہ کا شکار ہو چکی ہے اور اس ظلم کی شدت کو بآسانی سمجھ اور محسوس کر سکتی ہے۔ پاکستان کی دینی جماعتوں بالخصوص جماعۃ الدعوۃ بھی خاموش ہے، جو غلبہ اسلام کے نام پر پاکستان بھر سے صدقات جمع کرتی ہے، کیونکہ اس مذمت واحتجاج سے فوج کی عظمت پر زد پڑتی ہے۔ اُمّتِ اسلامیہ کے حکمران اور ملّی ادارے اس قدر بانجھ ہیں یا ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ملت کا درد سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ کم از کم کسی مسلمہ برائی پر کھلی مزاحمت کی بجائے، اس کی رسمی مذمت ہی ضروری سمجھی جاتی۔ اس سے بہتر تو وہ یورپی یونین ہے جس کی چیئرپرسن کیتھرن ایشٹن نے مرسی سے باضابطہ پہلی ملاقات کر کے، رسمی طور پر ہی سہی، لیکن اس کی اخلاقی حمایت کر کے مسلم قیادت کو شرمندہ کر دیا۔ ازہر کے سربراہ کے اسی ناروا اقدام کا یہ نتیجہ ہے کہ بغاوت کے بعد کے دنوں میں جنرل سیسی کی طرح ازہر یونیورسٹی سے 'ارحل شیخ الازہر، ارحل شیخ الازہر' (یعنی گو، گو) کے بینر لئے اساتذہ وطلبہ کی ریلیاں نکلتی رہیں۔ ایسے ہی سعودی حکومت کے گومگو والے بیانات کا کفارہ سعودی عرب کے ۵۶ علما کے ایک مشترکہ بیان نے ادا کرنے کی کوشش کی ہے، جنھوں نے صدر مرسی کی حکومت کے خاتمے کو ظلم وفساد سے تعبیر کرتے ہوئے قرار دیا...

الانقلاب لم يكن انقلابًا تصحيحيًّا ولكنه انقلاب لإقصاء التيارات الإسلامية والوطنية، ومنع الاستقلال الحقيقي لقرار مصر وسيادتها... لا يدافعون عن الإخوان المسلمين، بل عن

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

الحق، ونقف مع المظلوم ومع حقوق الشعب المصري المعتدى عليها... اتهم الغرب بالوقوف مع الاستبداد والعُنف إذا كان ضدّ الشعوب المسلمة، سواء كانت تواجه حرب إبادة كما في سوريا، أو انقلابًا ومصادرة للحقوق كما في مصر، لافتًا إلىٰ أن الغرب بمعاييره المزدوجة يدفع المنطقة للفوضى ويؤسس لثقافة العُنف... العالم كله ووسائل الإعلام أن يتقوا الله في مصر وأهلها، وأن ينحازوا للحق، أكد على دعم المطالبين بعودة الرئيس المنتخب الدكتور محمد مرسي

"مصری انقلاب مصلحانہ ہر گز نہیں بلکہ اسلام اور مصری قومی مصالح کے خلاف ہے، جس میں مصری فیصلوں کی آزادی اور اس کی حاکمیت پر ضربِ کاری لگی ہے۔... ہم اخوان المسلمین کی بجائے حق کے دفاع میں اُن کے ساتھ ہیں، مظلوم کے ساتھ اور زیادتی کی شکار مصری قوم کے ساتھ کھڑے ہیں... مغرب کا قصور یہ ہے کہ جب مسلم معاشروں کا مسئلہ ہو تو وہ ظلم و تشدد کا حامی ہوتا ہے، جیسا کہ شام کو نابود کرنے کی جنگ اور مصر میں اس کا یہ دوہرا رویہ بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ مغرب کے یہ دوہرے معیار عرب معاشرے کو افراتفری اور انتہاپسندی کے کلچر کی طرف لے جارہے ہیں... دنیا بھر اور میڈیا کو مصر اور اس کے شہریوں کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہئے، حق کے ساتھ کھڑے ہونا چاہئے اور یہ بیان مظاہرین کے اس مطالبے کی مکمل تائید کرتا ہے کہ ڈاکٹر محمد مرسی کو بطورِ صدر واپس لانا چاہئے۔"

مذکورہ بیان پر دستخط کرنے والے علما میں عبد العزیز بن عبد المحسن الترکی، حسن بن صالح الحمید، عبد العزیز بن محمد الفوزان اور محمد بن سلیمان البراک کے نام نمایاں ہیں۔ سعودی علما کا یہ بیان ان ائمہ حرمین کے خطابات کے مماثل ہے جس میں وہ سرکاری پالیسی کے خلاف اپنے ایمان پرور موقف کو شاذ و نادر منبر نبویؐ سے پیش کرتے رہتے ہیں۔ یا مذکّرۃ النصیحۃ نامی اس مشترکہ یادداشت کی مانند ہے جو ۲۰ برس قبل سرزمین حرمین پر امریکی افواج کی آمد کے موقع پر ۲۰۰ سعودی علما نے پیش کی تھی۔ سعودی عوام میں مصر کے بارے میں حساسیت اس قدر زیادہ ہے کہ میڈیا کے مطابق ریاض کی ایک مسجد میں گذشتہ دنوں جنرل سیسی کی حمایت

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

کرنے پر وہاں کے نمازی اس سے اُلجھ پڑے اور اس کو بچانے کے لئے پولیس کو آنا پڑا۔

مصر انتہا پسندی اور خانہ جنگی کے راستے پر

پاکستان اور مصر کے حالات میں بہت سی مماثلتیں پائی جاتی ہیں، ان دونوں ملکوں کی افواج اپنے ہی عوام کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ اپنے کلمہ گو بھائیوں اور اپنے ہم وطنوں کو نشانہ بنانا بڑا دل گردے کا کام ہے۔ گو کہ پاکستان میں حالیہ انتخابات میں عوام نے ان جماعتوں کو واضح مینڈیٹ سے نوازا ہے جو عوام اور فوج کے مابین گولی سے فیصلہ کی بجائے مفاہمت و معاہدوں کی نہ صرف قائل بلکہ داعی بھی ہیں اور اس طرح عوام کا ایک واضح موقف سامنے آگیا ہے۔ تاہم اس پر ابھی حکومت اور فوج کے درمیان کلی مفاہمت اور اتفاقِ رائے باقی ہے۔ پاکستان میں ماضی کی جارحانہ کاروائیوں سے ملک بدترین خانہ جنگی کا شکار ہو چکا ہے اور عوام پاکستان کے جان و مال غیر محفوظ ہیں۔ حکومت اب معاہدوں کی بات تو کرتی ہے لیکن یہ سلسلہ اتنا اُلجھ چکا ہے کہ کبھی عالمی سیاست کے مہرے اس امکان کو دھندلا کر بداعتمادی کی فضا تان دیتے ہیں تو کبھی ماضی کے تلخ واقعات، ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے میں گریز کا سبب بنتے ہیں۔ اس سب کے باوجود جب حکومتی ادارے، اس جوابی تشدد اور قتل و غارت پر قابو پانے اور عوام کو تحفظ دینے میں لگاتار ناکام رہے ہیں اور انتشار پسند جب چاہیں دہشت گردی میں کامیاب ہو جاتے ہیں، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ مزید عوامی ہلاکت خیزی کی بجائے حکومت کے پاس مفاہمت کے علاوہ اب کوئی آپشن ہی باقی نہیں ہے۔

یہ تلخ صورتحال مصر اور اس کے حالیہ حکمرانوں کے لئے عبرت کا بہت سا سامان رکھتی ہے۔ مصر میں فوجی جوان، اپنے ہی مسلم بھائیوں پر سنگینیں کھول دیتے ہیں اور اُن کو یہ حکم جاری کرنے والے لمحہ بھر کے لئے اُس کے سنگین نتائج پر غور نہیں کرتے۔ فوجی بھی اپنی تنخواہ اور فوج کے داخلی نظم کے تقاضوں کی پاسداری کرتے ہوئے خون کی ہولی کھیلتے ہوئے اپنے دین و ایمان کے کھلے تقاضوں سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ یہاں رکنے کا نہیں بلکہ یہ صرف نقطہ آغاز ہے، اس کے بعد اس مصری المیہ میں اتنے بہت سے عناصر داخل ہو جائیں گے کہ اصل تصویر دھندلی ہوتی جائے گی اور ڈور کے سرے اُلجھتے جائیں گے۔ ظلم و ستم پر قائم نظام ہو یا کسی مستحکم نظریے کی بنیاد پر مزاحمت، ان کا اختتام کبھی ختم نہیں ہوتا...!!

magazine.mohaddis.com

آج مصر کے احتجاج کرنے والے اس قرآنی آیت کو اپنا شعار بنا رہے ہیں:

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ (الشعراء:۲۲۷)

''عنقریب ظلم کرنے والے اپنے انجام کو جان جائیں گے کہ کہاں اُنہیں لوٹنا ہے۔''

مصر میں جبر و تشدد کے اس آغاز پر اُنہیں متوجہ رہنا چاہئے کہ مخالفین کو اس حد تک نہ پہنچا دیں جہاں سے واپسی کا راستہ مسدود ہو اور اس کا نتیجہ بھاری قومی اور ملی نقصان کی شکل میں ملے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ بزورِ قوت لپیٹی جانے والی حکومت واضح قانونی اور جمہوری جواز رکھتی ہے اور اس کے ساتھ عوام کی کھلی اکثریت بھی ہے۔ ایسی صورت حال میں عوامی اور جمہوری قوت کے ساتھ ساتھ اسلام کی نظریاتی تائید بھی اُنہیں میسر ہو جائے تو پھر دنیا کا بدترین ظلم بھی اُن کا راستہ نہیں روک سکتا۔ آخر کار فوجی حکومت کو مظلوموں کو اُن کا حق دینا ہی ہو گا، اور جتنا ظلم وہ کریں گے، اس کے مکافات کے لئے اُنہیں تیار رہنا چاہئے۔

مصر کے ۲۲ میں سے ۱۶ صوبوں [محافظات] میں صدر مرسی کے حامی بڑی تعداد میں موجود ہیں اور حالیہ ظلم و ستم نے اس حمایت کو مزید وسیع کر دیا ہے۔ ان حالات میں کوئی بھی قریبی انتخاب پہلے سے زیادہ دینی جماعتوں کو اکثریت عطا کرے گا۔ مصر کے ان علاقوں میں ہی سیکولر باشندوں کی اکثریت پائی جاتی ہے جو بڑے شہروں اور اس کے گرد و نواح ہیں لیکن یاد رہے کہ وہی پورا مصر نہیں ہیں۔

② جمہوریّت کے ذریعے غلبہ اسلام

مصر کی صورتحال میں اسلامی تحریکوں کے لئے غلبہ اسلام کی حکمتِ عملی کے حوالے سے سیکھنے کو بہت کچھ ہے۔ جمہوریّت کے ذریعے اسلام کو غالب کرنے کی داعی جماعتیں، یہ تجربہ ترکی، الجزائر، فلسطین، تیونس، لیبیا اور مصر میں زبانِ حال سے دیکھ رہی ہیں۔ جبکہ بنگلہ دیش اور پاکستان کے حالات بھی اس جمہوری ماڈل پر چل رہے ہیں۔ طالبان کے افغانستان، انقلابِ ایران اور سعودی عرب میں بھی اسلامی نظامِ حکومت کے کامیاب تجربات ہو چکے ہیں۔ جمہوریت کے ذریعے غلبہ اسلام کی کوششوں کا سوال دینی تحریکوں میں ایک طرف نظریاتی و شرعی پہلو اور دوسری طرف واقعاتی امکانات کے حوالے سے اہم ترین موضوع ہے۔

مسلم معاشروں میں بہت سی تحریکیں اس فکر کی حامل ہیں، بالخصوص سلفی نقطہ نظر یہ ہے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کہ سیاسی غلبہ کے طور پر اسلام کے فی الفور نفاذ کو حاصل کر لینے کی بجائے، لوگوں کو اندر سے بدلنے اور سب سے پہلے اُنہیں اپنی ذات پر اسلام کو نافذ کرنے کے لئے تیار کرنا چاہئے۔ اگر کوئی فرد اپنے اوپر، اپنے خاندان اور کنبہ برادری پر اسلام نافذ کرنا چاہے تو اس میں آج بھی کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس کے لئے اس امر کا تقاضا کہ کوئی باہر سے آکر جب تک اُنہیں پابند کر کے اسلامی معاشرت پر مجبور نہیں کرے گا، وہ اسلامی اجتماعیت کے تقاضوں پر عمل پیرا نہیں ہوں گے، عذرِ لنگ کے سوا کچھ نہیں۔ آج مسلمان اگر خلوص دل سے چاہیں تو از خود غیر سودی معیشت، سیکولر تعلیم، فحاشی پر چلنے والے ذرائع ابلاغ سے بچ سکتے اور بڑی حد تک سیکولر قانون کی بجائے شریعت سے اپنے اختلافات حل کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے ذہنی آمادگی اور عزم صمیم کی ہی کمی ہے کہ وہ اسے بھی اسلام کا تقاضا سمجھیں۔

جبکہ مسلمان معاشروں کی حقیقی صورتحال اور دین سے تعلق کو مساجد میں نماز ادا کرنے والوں، سودی اور بینکی لین دین سے بچنے اور پوری زکوۃ دینے والوں، دینی تعلیم بالخصوص قرآن کا ترجمہ جاننے والوں، اور فلم و میوزک، فحاشی و عریانی سے اجتناب کرنے والوں کی تعداد سے بخوبی جانچا جا سکتا ہے۔ خواتین میں شرعی حجاب کا اہتمام کرنے والیاں اور مردوں میں داڑھی کی شرعی پابندی سے مسلم معاشروں کے شخصی رجحانات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ان تمام میزانوں اور شرعی تقاضوں میں امت اسلامیہ کی صورتحال شرمناک حد تک خراب ہے۔ جب مسلمان خود سے دین پر عمل پیرا نہیں، تو کیا وہ حکومتی جبر کا انتظار بلکہ اسے دعوت دیں گے، کہ وہ انہیں تمام تر اجتماعی تقاضوں میں دین اسلام کے مطابق چلائے۔ مسلم معاشروں میں احیائے اسلام کی مؤثر جدوجہد اور دعوت و تعلیم کے موضوعات کو فرد کی تربیت سے بڑھا کر معاشرت کے اسلامی تقاضوں تک بھی وسیع کرنا ہو گا اور رضاکارانہ طور پر لوگوں کو اس اسلامی معاشرے کی طرف پیش قدمی پر آمادہ کیا جائے۔ اسلام صرف مسجد کا ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کا دین ہے۔ یہ عبادات کا ہی کوئی خاص ڈھانچہ نہیں بلکہ کامل نظامِ حیات بھی ہے۔

اگر مسلمانوں کی بامقصد تیاری کے بغیر کسی حادثاتی یا وقتی وجہ سے ان پر خاص حالات میں دینی تحریکیں غلبہ حاصل بھی کر لیں تو بعض صورتوں میں یہ بے عمل مسلمان خود اس اسلام کو ترک دیتے ہیں اور بعض صورتوں میں عالمی الحادی تہذیب کے کل پرزے منظم حکمتِ عملی کے ذریعے اسلام کی اس برکت سے اُنہیں محروم کر دیتے ہیں۔ پہلی صورت کی مثال کے طور پر

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پاکستان کا نام لیا جاسکتا ہے جہاں اسلام کے نام پر لوگ اسلامی جماعتوں کو اَب ووٹ ہی نہیں دیتے اور اگر کوئی اسلامی قدم اُٹھایا بھی جائے تو اس کے خلاف اپنی لاعلمی اور جہالت کی بنا پر متفق بھی ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے کی مثال کے طور پر جہاں عالمی ادارے جمہوری بنیادوں پر کامیاب ہونے والی اسلامی حکومتوں کا چلنا دوبھر کر دیتے ہیں، فلسطین، الجزائر اور مصر کا نام لیا جاسکتا ہے۔ یہاں بھی عالمی لابی کے ایجنٹ دراصل مسلمانوں میں وہ منتشر الخیال اور بے دینی کے رسیا، نام کے مسلمان ہوتے ہیں جو عشروں سے چلے والے استعمار کی مدد سے قوت کے مراکز پر بھی قابض ہو چکے ہیں۔ مغرب کا طریقہ واردات ہمیشہ سے سامنے سے حملہ کرنے کی بجائے، پیچھے سے سیکولر مسلمانوں کی تائید سے اپنے مقاصد کو حاصل کرنا رہا ہے۔ مسلم اُمہ کا اصل المیہ اس وقت یہی وہ نام نہاد مسلمان ہیں جو دو صدیوں کے استعماری تغلب و تسلط اور مغربی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں اسی طرزِ فکر و عمل کے اسیر ہو چکے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کا یہ عملی، فکری اور نظریاتی بحران ہر دو صورتوں میں اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ اسلام کو آج بھی اصل خطرہ غیروں کی بجائے اسلام کا نام لینے والے ان مسلمان بھائیوں سے ہے جو نہیں جانتے کہ اسلام یہودیت و عیسائیت کی طرح محض خاندانی یا موروثی مذہب نہیں ہے۔ مصر کا حالیہ المیہ لبرل، سیکولر اور دین دار مسلمانوں کے باہمی اختلاف کا ہی شاخسانہ ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عبادات کی پابندی کے ساتھ ساتھ اسلام کا نام لینے والے ہر فرد کی ذہنی تشکیل اور فکری شخصیت کی طرف بھی توجہ دی جائے اور بظاہر کوئی تنظیم اس کی طرف متوجہ نہیں۔ سلفی تحریکات یا روایتی مسالک مثلاً بریلوی، دیوبندی وغیرہ عبادات اور مسائل کی تحقیق و ترجیح کے نام پر مسائل و عبادات تک محدود ہیں۔ دورِ استعمار میں وہ اس طور پر سیکولر ہو چکے ہیں کہ وہ مذہب کو صرف مسجد و مدرسہ تک محدود رکھتے ہیں اور مسلم معاشرہ کے مسائل اور اُن کی رہنمائی سے غافل ہیں، جب کہ واضح ہے کہ ماضی میں فقہی رجحانات نہ تو فرقہ واریت کے زہر کا شکار تھے اور نہ ہی معاشرے کے زندہ مسائل سے لاتعلق۔

دوسری طرف ماضی کی جماعتِ اسلامی، اخوان المسلمون اور حزب التحریر وغیرہ جیسی تحریکیں کافی عرصہ سے تعلیم و تربیت اور اجتماعی تقاضوں کی تشکیل کو نظر انداز کر کے حصولِ حکومت کی سیاسی جدوجہد میں اپنا آپ کھپا چکی ہیں، اُنہیں اپنے اصل کام کی یکسوئی سے فرصت ہی میسّر نہیں ہے۔ نیز اصلاحِ عقائد اور اسلام پر بہتر عمل پیرا ہونے کے حوالے سے وہ اچھے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

معیار پر کاربند نہیں رہ سکیں۔ ان حالات میں تعلیم و تربیت سے بے بہرہ سیکولر مسلمانوں کا طبقہ میڈیا کے ذریعے روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ مصر کے حالات میں بھی دیکھا جائے تو یہی طبقہ اہل کفر کے مقاصد کا آلہ کار بنتا ہے، لیکن اس آلہ کاری سے قبل، ان کے ہاں عملی و نظریاتی انحراف اور مادیت زدہ طرزِ حیات کا زہر سرایت کئے ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے ان رجحانات کو جاننے کے بعد جمہوریت کے ذریعے غلبہ اسلام کی کوششوں کے بھی تین گروپ کئے جاسکتے ہیں: پہلا گروپ الجزائر، فلسطین اور مصر کا ہے۔ جہاں انتخابات میں غیر معمولی اکثریت حاصل کرنے کے باوجود اسلامی جماعتوں کی حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور اُنہیں چلنے نہیں دیا گیا۔ ان ممالک میں اسلامی جماعتوں کو غیر معمولی کامیابی تو ضرور ملی لیکن جمہوری نظام پر کاربند نظامِ حکومت میں دیگر حکومتی و معاشرتی عناصر مثلاً عدلیہ، فوج، میڈیا اور تعلیمیہ میں موجود جمہوری لبرل اقدار نے اُن کے راستے میں مزاحمت کرتے ہوئے، تیزی سے اسلام کی سمت اُن کی پیش قدمی ناممکن بنادی۔ اس طبقے نے اسلام کی اوپر سے تنفیذ کو قبول کرنے کی بجائے، اس مغرب کی طرف دیکھنا شروع کیا، جس طرزِ حیات کے وہ عادی ہو چکے ہیں، نتیجتاً وہ غیروں کے لئے استعمال ہوگئے۔ جمہوریت کے داعی بظاہر پارلیمنٹ کی برتری کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن درحقیقت یہ پارلیمنٹ صرف قائدانہ کردار ادا کرتی ہے، اس منزل کی طرف جس کو جمہوریت کے دیگر عناصر نے پہلے سے متعین کیا ہوتا ہے۔ اگر یہ پارلیمنٹ دوسری سمت چل پڑے تو جمہوریت کی روح اور دیگر سیاسی جمہوری ادارے یعنی عدلیہ، فوج، میڈیا، تعلیمیہ اور ثقافتی و معاشرتی ادارے غیروں کی مدد سے اُسی کی بساط لپیٹ دیتے ہیں۔

جمہوریت کے ذریعے غلبہ اسلام کی کوششوں کا دوسرا گروپ ترکی، تیونس اور ملائیشیا وغیرہ ہیں۔ موجودہ حالات میں ترکی اور تیونس میں اسلامی جماعتوں کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ برسر اقتدار آنے والوں نے وسیع تر مفاہمت اور نظریاتی میدان میں غیر معمولی حد تک 'رواداری' اور تحمل و برداشت کا اظہار کیا۔ اُنہیں ملک کے داخلی اور عالمی نام نہاد برادری کے رجحانات کا بخوبی اندازہ ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ سالہا سال حکومت کے بعد بھی کچھ نہیں کرسکے۔ ترکی ابھی تک انتہائی آہستہ روی سے اسلام کی طرف پیش قدمی کررہا ہے اور تیونس کے النھضۃ پارٹی کے صدر راشد الغنوشی تو اس حد تک اسلامی تحریک کے نمائندہ ہیں کہ ماضی قریب میں اقوامِ متحدہ نے اُنہیں انسانی حقوق ایوارڈ دیا اور عرب دُنیا کے بہت سے سکالر اُن کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لبرل افکار پر کڑی تنقید کر چکے ہیں کہ وہ اسلام سے زیادہ مغربی افکار سے متاثر ہیں۔ ان دونوں ممالک میں اس سے زیادہ اسلام کو کچھ حاصل نہیں ہوا کہ مغرب کا پیش کردہ ریاستی ارتقا کا ماڈل اسلام پسندوں کی قیادت میں زیر عمل ہے، یعنی ملکی انفراسٹرکچر کی بہتری، فی کس آمدنی میں اضافہ، نظم وضبط اور صنعت و معیشت کی بہتری وغیرہ، یہ وہی اہداف ہیں جو ایک مغربی ریاست حاصل کرتی ہے، جبکہ اسلامی ریاست تو قرآن کی زبانی "اگر ہم زمین میں حکومت عطا کریں تو وہ اقامتِ صلوۃ اور ایتاے زکوٰۃ کریں گے، برائی سے ممانعت اور خیر کی ترویج کریں گے۔" کے مطابق پورے معاشرے کو اللہ کا بندہ بناتی ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ کی رحمت اس سرزمین کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ دنیا جہاں کے خزانے کھول دیتا ہے۔

تاہم اسلامی حکومت کا فائدہ یہ ہے کہ ترکی میڈیا میں اسلام پسندوں کی جمہوری کامیابی کے بعد آہستہ روی سے اسلامی اقدار سے نفرت کو کم کیا جا رہا ہے، لیکن اُس کی حالت بھی یہ ہے کہ ترکی ڈراموں میں بے انتہا فحاشی پائی جاتی ہے، پاکستان میں متعارف ترکی ڈراموں نے انڈین فلموں کو بھی مات کر دیا ہے اور طیب اردگان کی حکومت نے یہ سب گوارا کر رکھا ہے۔ ترکی معاشرہ کو قریب سے دیکھا جائے تو وہ کسی طرح اسلام کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کو تیار نہیں۔ ترکی کے 'تقسیم سکوائر' کا حالیہ مختصہ بظاہر ایک پارک کی تعمیر کا ہے، در حقیقت ایک عظیم مسجد کی مجوزہ تعمیر سے اسلامی ثقافت کی نمائندگی، اور شراب کے خلاف حالیہ ترک قانون سازی نے یہ اُلجھن کھڑی کی ہے، جبکہ شراب کے خلاف یہ قانون سازی مغربی ریاست برطانیہ میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ ترکی کا بین الاقوامی کردار یہ ہے کہ طیب اُردگان کی حکومت نے ۱۲ سالہ حکومت اور تین بار جمہوری انتخاب جیتنے کے باوجود اسرائیل کے بارے میں تو کوئی پیش قدمی نہیں دکھائی تاہم شام میں جاری مسلم خانہ جنگی میں اپنا حصّہ ضرور ڈالا ہے۔ یہ کیا کارنامے ہیں جس پر جمہوریت پسند، اسلامی جماعتیں ترکی میں اسلامی حکومت کا کریڈٹ لینا چاہتی ہیں۔ ملائیشیا میں بھی صنعتی و مادی ترقی تو ہوئی ہے لیکن وہاں اسلام کس قدر پروان چڑھا ہے، اس کا اندازہ آپ کو ملائشیا کی پاکستان میں تعلیمی نمائشوں Expo میں پائے جانے والے کلچر اور سیکولر تعلیم کے ذریعے بخوبی ہو سکتا ہے۔

تیسرا گروپ پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ کا ہے۔ یہ وہ ممالک ہیں جہاں جمہوریت کا تجربہ سالہا سال سے جاری ہے اور جمہوریت کے ثمرات کو جاننے سمجھنے میں ہم دیگر عرب دنیا سے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کافی آگے ہیں۔ نتائج ہمارے سامنے ہیں کہ یہاں سیاست سے اسلام کا حوالہ ہی خارج ہو چکا ہے، اور کسی سیاسی تو کجا مذہبی جماعت نے بھی حالیہ الیکشن میں نفاذِ اسلام کے نعرے کو پیش نہیں کیا، کیونکہ اس سے عوام کی دلچسپی، اور اس بنا پر کامیابی کے امکانات کافی مخدوش ہیں۔

الغرض جمہوریت کے ذریعے اس سے زیادہ پیش قدمی ممکن نہیں جتنی ترکی یا تیونس میں ہو رہی ہے کہ اسلامی جماعتوں کی قیادت میں ملکی ترقی کی طرف بڑھا جا رہا ہے اور اسلامی تقاضے پس پشت ہیں۔ صرف اسلام سے نفرت کو بتدریج کم کرنے اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی کوشش اس کا ثمرہ ہے اور یہ 'سنگین جرم' بھی مغربی حکومتوں کو گوارا نہیں۔ یہ مقاصد تو پاکستان میں تحریکِ انصاف یا نواز لیگ کی حکومتیں بھی کسی حد تک پورے کر سکتی ہیں۔ اگر جمہوریت کی بنا پر ہی اسلام کے لئے آگے بڑھنا ہو تو اس کے لئے کئی سالوں پر محیط قومی تربیت کرنا ہو گی۔ اس درمیانی اور عبوری دور میں دو صدیوں کا پھیلایا ہوا گند صاف یا کسی درجے کم ہو جائے تو یہ بھی بہت کافی ہے۔ اس دوران مغربی ماڈل پر بظاہر چلتے ہوئے آہستہ آہستہ لوگوں کو اسلام سے دوبارہ منسلک کیا جائے اور اسلام کو لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں اُتارا جائے، اسلام کے خلاف نفرت کو کم کیا جائے۔ جمہوریت کے ذریعے اس سے زیادہ کچھ حاصل ہوتا نظر نہیں آتا۔ اگر کوئی اسلامی حکومت جمہوریت کے پردے میں اس سے زیادہ پیش قدمی یا تیز رفتاری دکھائے گی تو یہ اسلامی جماعتوں کی سیاسی بساط کو لپیٹنے کی طرف جائے گی، جیسا کہ مصر کی صورتحال میں یہ واضح ہو چکا ہے کیونکہ اس طرح وہ عالمی قوتوں کے لئے اس امر کا راستہ ہموار کریں گے کہ وہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے مسلم معاشرے کی مؤثر اقلیت یعنی بے عمل اور منتشر خیال طبقات کو استعمال کر سکیں۔

دھیرے دھیرے جمہوریت کے ذریعے اسلام کی طرف پیش قدمی بھی اس وقت ممکن ہے جب اسلامی تحریکوں کی قیادت کو اپنے نظریہ اور مقصد کے بارے کوئی ابہام نہ ہو اور یہ محض ان کی سیاسی حکمتِ عملی ہو۔ کیونکہ جمہوری نظام پر فی الواقع یقین رکھنے والے کبھی بھی اسلام کی منزل کو نہیں پا سکتے۔ اسلام اور جمہوریت اپنے نظریے اور نظام کی بنا پر دو باہم متضاد نظام ہیں۔ مغرب کا طرزِ سیاست و معاشرت اور مقصد و ہدف بالکل مستقل اور جداگانہ ہے، اور اسلام کے تقاضے اس سے بالکل مختلف... مغرب انسان کو نفس کا بجاری بنا کر، دنیا کو خواہشات کا مستقر بنانا چاہتا ہے اور بس، اس کی دنیا میں خالق کی اطاعت اور آخرت کی تیاری کا کوئی شعور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نہیں جبکہ اسلام اس دنیا کو آخرت کے لئے کھیتی کا درجہ دیتا ہے، تاہم اسلام میں بھی فلاحِ معاشرہ، مطمئن و پر سکون طرزِ حیات اور دنیوی ترقی و امن وامان کا اپنا تصور موجود ہے۔ سیاسی میدان میں اس غیر معمولی مفاہمت کا یہ تقاضا بھی ہو گا کہ جمہوریت کے غیر اسلامی ہونے کے باوجود، اس کی کھلم کھلا مخالفت سے اجتناب کرنا ہو گا کیونکہ دنیا کا سکہ رائج الوقت یہی ہے اور ابھی عام مسلمان تو کجا بڑے پڑھے لکھے مسلمان بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہیں اور علماے کرام بھی اس کی شان میں رطب اللسان رہتے ہیں۔

اندریں حالات کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ مسلم معاشروں میں موجود روایتی تحریکیں اعتقادات و عبادات پر لوگوں کو مزید مستحکم کرکے، فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر آخر کار اہل اسلام کو معاشرتی تقاضوں کی طرف بھی متوجہ کریں۔ ان کا اسلام مسجد و مدرسہ یا پرائیویٹ زندگی تک ہی محدود نہیں رہنا چاہئے۔ اگر وہ معاشرے کے اندر رہتے ہوئے ایک اور معاشرہ تشکیل دے جائیں تو یہ بہت بہتر کامیابی ہے، پھر جوں جوں اس ذیلی معاشرے کے لوگ بڑھتے جائیں گے، توں توں اللہ کی نعمت سے انہیں وسیع تر خلافتِ ارضی حاصل ہوتی جائے گی۔ یہی کام ترتیب کے لحاظ سے بھی پہلا ہے اور اس کا نتیجہ بھی محفوظ ہے، تاہم اس کو توسیع دی جانا چاہئے۔ دنیا بھر میں سلفی تحریک اسی کی تلقین کرتی ہے، جیسا کہ اسی شمارے میں موجود سلفی قائد علامہ ناصر الدین البانی کا مضمون اس سلسلے میں واضح رہنمائی کرتا ہے، جبکہ سیاسی اسلام کے حالات ابھی بہت کچھ صبر و احتیاط کے متقاضی ہیں۔

موجودہ حالات میں صدر مُرسی کی کوتاہی

مصر میں اسلامی اقدامات کی طرف تیز تر پیش قدمی نے آخر کار مرسی حکومت کے لئے برسر اقتدار رہنا ناممکن بنا دیا۔ حالات کا درست اِدراک کرنے، مغرب زدہ طبقے کی قوت اور چلت پھرت کا صحیح اندازہ کرنے میں اُنہیں غلطی ہوئی۔ صدر مرسی جو گرفتاری سے چند گھنٹے قبل مفاہمت کی کال دے رہے تھے، اُس سے پہلے اپنی کمزور حیثیت کا ادراک نہ کر سکے۔ اس کے بجائے اگر وہ آہستہ روی کو اختیار کرتے ہوئے، اپنے اقتدار کو پانچ سال تک وسیع کرتے تو اس طرح وہ اپنی حکومت کو طول دے سکتے تھے۔ ۳۰ سال سے فرعونی آمریت میں لتھڑا معاشرہ اس سے زیادہ تحمل کا متقاضی تھا جتنی اُنہوں نے دکھائی۔ اسی طرح سلفی پارٹی 'النور' سے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مخالفت مول لینے کی غلطی نہ کرتے، ہر صورت اس کو اپنی صفوں میں شامل رکھتے اور دوسری طرف ملحد طبقات کے لئے بھی مزید قابل قبول بنتے تو آج مصر اس قدر جلد خانہ جنگی کے حالات سے دوچار نہ ہوتا۔ قیادت کو ان درپیش حالات کا پورا اِدراک ہونا چاہئے۔

مصر میں اسلامی جماعتوں کی انتخابات میں ۷۲ فیصد کامیابی کے بعد، مصر کی سیاسی قیادت کو یہ جاننا چاہئے تھا کہ اتنی بڑی اکثریت حقائق کی ترجمانی کی بجائے، مخصوص آمرانہ حالات کے ردّ عمل کا شاخسانہ ہے اور مصری قومی ادارے بھی اپنی قوت کے ساتھ بہر طور موجود ہیں۔ آغاز میں اخوان کی یہ حکمتِ عملی کہ وہ اپنا صدر نہ لائیں گے، اسی امر کی عکاسی کرتی ہے کہ انہیں اس کا پوری طرح احساس تھا کہ اس طرح کے حالات میں قیادت پر کتنی بھاری بھر کم ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، جس کا اکیلے سامنا کرنے کی بجائے اُنہیں اس بوجھ میں دوسرے مخلص لوگوں کو بھی شریک کرنا چاہئے تھا۔

اہل پاکستان کو یاد ہو گا کہ نواز شریف نے بھی مئی ۲۰۱۳ء میں منعقدہ قومی انتخابات کے موقع پر اسی دور اندیشی کا اظہار کیا تھا کہ وزیر اعظم بننے سے قبل وہ ملک کی مشرقی اور مغربی سرحد کے حوالے سے حکومتی کارپردازان کے رجحانات کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے۔ اگر پالیسی میں کسی اساسی تبدیلی آنے کا امکان ہوا تبھی وہ وزارتِ عظمیٰ کی بھاری ذمہ داری قبول کریں گے۔ بعد ازاں خیبر پی کے اور بلوچستان میں اسی حکمتِ عملی کے تحت اُنہوں نے دوسری جماعتوں کو بھی حکومتی اختیارات بلکہ ذمہ داری میں شریک کیا۔

شدت پسندی ایک زہر قاتل

روایتی فقہی رجحانات اور احیائی تحریکوں کے درمیان کچھ عرصہ سے ایک اور رجحان بھی ملتِ اسلامیہ میں نمایاں ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس میں آنے والے نوجوانوں کا زیادہ حصہ بے جا مداخلت، ردّ عمل اور ظلم و ستم کے نتیجے میں سامنے آیا ہے۔ نوجوان مسلمان دو صدیوں کی الحادی سازشوں کا سامنا کرنے کی بجائے بڑی جلدی اور شارٹ کٹ طریقے سے معاشرے پر اسلام کو انقلاب یا جہاد کے ذریعے غالب کرنا چاہتے ہیں۔ انقلاب اور جہاد سے حاصل ہونے والی سیاسی حکومت کے حوالے سے ایران میں انقلاب، افغانستان میں جہاد اور سعودی عرب میں دعوت اور جہاد کی صورت نسبتاً کامیاب اسلامی حکومتوں کی مثالیں موجود ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہنا چاہئے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کہ یہ وہ مثالیں ہیں جن میں پورے معاشرے میں اسی اُسلوب کو اختیار کیا گیا، اور جہاں معاشرے کے محض چند طبقات اس رویے پر عمل پیرا ہوئے تو وہ آخر کار اس کا نتیجہ تشدد کی صورت نکلا۔

اس شدت پسندی کی واقعاتی صورت حال یہ ہے کہ مصر میں ساٹھ کی دہائی میں ہونے والے ظلم و ستم کے نتیجے میں اخوان المسلمین سے أصحاب الهجرة والتفكير نکلے، انور السادات کو قتل کرنے والی الجماعة الإسلامية نکلی، حزب التحریر نے مسلم حکمرانوں کے خلاف مراکزِ کفر میں بیٹھ کر منصوبہ بندی کی، سعودیہ و افغانستان اور پاکستان میں امریکی بے جا مداخلت کے نتیجے میں القاعدہ منظّم ہوئی، ماضی کے مصری اخوانی ایمن الظواہری وغیرہ اور افغانی مجاہدین نے اس میں پناہ لی، افغانیوں کو تہ تیغ کرنے کی کوششوں پہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات بھر گئے، لال مسجد میں خون کی ہولی کھیلی گئی تو شمالی علاقہ جات کے یہ مظلوم مزید متحرک ہو گئے۔ لیبیا اور شام میں حکمرانوں نے ظلم و ستم کیا تو عراق و افغان کے مجاہدین نے ان خطوں کا بھی رخ کر لیا۔ مسلم حکمرانوں کے خلاف متحد ہونے والوں کو ۱۹۹۰ء کے امریکی نیو ورلڈ آرڈر نے نئے اہداف کے لئے متحرک کر دیا۔ اب یہ فوری غلبہ، مزاحمت، جہاد اور انتقام کے ملے جلے عناصر رکھنے والا ایک وسیع تر گروہ بھی مسلم اُمّہ کے ہر ملک میں کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض حادثاتی شب خون، بعض مسلح جدوجہد، بعض کفار سے جہاد اور بعض انتقام کی حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہیں۔ جسطرح مسلمانوں میں فکری مرعوبیت اور بے عملی کے شکار طبقے کو عالمی قوتیں اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنے میں ترغیب و تحریص کے ذریعے کامیاب ہو جاتی ہیں، اسی طرح ان ناراض عناصر کو بھی اسلام مخالف قوتیں مغالطوں، خوش نما نعروں اور درپردہ مالی سپورٹ کے نام پر بری طرح استعمال کرتی ہیں اور ملت میں خون کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

جب جمہوریت کے راستے بند کر کے، بظاہر پر امن سیاسی عمل کا راستہ بند کر دیا جاتا تو یہ بھی ناراض عناصر کو باور کرانے کے لئے ایک بہت بڑی ترغیب ہے، اس امر کی کہ اب پر تشدد حکمتِ عملی اختیار کئے بنا کوئی چارہ نہیں۔ جیسا کہ گذشتہ دنوں ڈاکٹر ایمن الظواہری نے جمہوریت کے ذریعے غلبہ اسلام کا راستہ اپنانے والوں کو مصر کی مثال سے سبق سیکھ کر اپنی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ پاکستان کے بعض دانش ور مصر میں جمہوریت کی بساط لپیٹ دیے جانے اور ان پر ہونے والے حکومتی ظلم و ستم میں اسی امر پر چیخ رہے ہیں کہ عالمی قوتوں کی اس

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

صورتحال میں معنی خیز خاموشی آخر کار جبر و تشدد کی تلقین ہے اور یہ ناراض و مظلوم عناصر کو خاموش ہدایت ہے قتل و غارت کی۔ اس کے بعد مسلم حکومتوں یا عالمی برادری کا دہشت گردی کی مذمت کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا جب وہ اس کا راستہ اس طرح خود ہموار کر رہے ہیں کہ جائز حقوق پامال کئے جا رہے اور سیاسی عمل کو بند کیا جا رہا ہے۔ اب جمہوریت کے بارے میں یہ رویہ پختہ ہوتا جا رہا ہے کہ جمہوریت کے پردے میں اصل مقصود مغربی مفادات کی محافظ آلہ کار حکومتیں ہیں، اگر مغربی مفادات کا تحفظ آمریت سے ہو تو اس وقت جمہوریت کی تبلیغ سرے سے بند کر دی جاتی ہے۔ اصل مسئلہ مفادات اور اسلام و کفر کا ہی ہے، جس پر ذو معنی اصطلاحات کے پردے مطلب بر آری کے لئے چڑھائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جوں جوں یہ بات واضح تر ہو جائے گی، توں توں اسلامی تحریکوں کا عرصہ سے پیش کردہ یہ مقدمہ زبانِ حال سے ثابت ہوتا جائے گا۔

یاد رہے کہ ملتِ مسلمہ میں جاری قتل و غارت کا بھی سراسر نقصان مسلمانوں کو ہی ہے، جیسا کہ پاکستان کو ایک عشرے تک بظاہر مغربی مفادات کا رکھوالا اور فرنٹ لائن سٹیٹ بنایا گیا، مادی ترغیبات اور امداد کے لالچ دیے گئے، اور آخر کار اسے بھی دہشت گردی کا مرکز قرار دے کر 'اصل شیطانی ریاست' ڈکلیئر کر دیا گیا۔ صدام حسین کو کویت و سعودی عرب کے خلاف اکسایا گیا، اور آخر کار اسی عراق کو اس کے ناعاقبت اندیش حکمرانوں سمیت امریکہ نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا، دو عشروں میں ہونے والی یہ ساری کاروائی خود امریکی مصنفین نے واضح الفاظ میں بیان کر کے رکھ دی۔ مصر میں بھی جنرل سیسی کو اقتدار کی ترغیب دے کر، اخوان المسلمین پر تشدد پر اکسایا گیا اور اخوان اگر جوابی تشدد کرتے ہیں تو اس سے جنرل سیسی (پاکستان کے جنرل پرویز مشرف کی طرح) آخر کار اکیلا ہو کر، اپنے انجام کو پہنچے گا؛ نقصان صرف ملک و ملت کا ہو گا۔ مصر میں یہ نقشہ بڑی تیزی سے رونما ہو رہا ہے، جنرل سیسی چند دن قبل اس امریکی لابی پر آخر کار پھٹ پڑا جس کی آشیر باد اور رہنمائی میں اس نے یہ خونیں قدم بلکہ بغاوت کی تھی۔ ۵/ اگست کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مصری فوج اور اس کے قائد جنرل سیسی نے امریکہ پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا ہے، اس کو اخوان المسلمون پر دباؤ ہر طرح بڑھانا چاہئے۔ دوسری طرف امریکہ نے دو ماہ سے بھی کم عرصے میں مصر کے لئے اعلان کردہ فوجی امداد کو نہ صرف روک دیا بلکہ یورپی یونین کو بھی اس کی تلقین

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کی۔ پہلے اکسانا اور ہلہ شیری، بغاوت وقوع پذیر ہو جانے پر، قوم کو بانٹنے اور انتشار کی حوصلہ افزائی، آخر کار سیاسی اور عسکری میدانوں میں اپنے کارندوں کے ذریعے مسلم قوم کو تباہ کرنے اور اپنے معاشی وسیاسی مقاصد پورے کرنے کی منصوبہ بندی... یہ ہے امریکہ اور اس کی حواری ریاستوں کی سازش کا سیدھا سادا نقشہ...! شکار ہے بھولی ملتِ اسلامیہ اور اس کے لالچی عناصر...

مُسلم افواج: ملّتِ اسلامیہ کے خلاف

جنرل سیسی کے ان اقدامات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے ان منتشر حالات اور کفر کی عالمی برادری کی مضبوط حکمتِ عملی کے تناظر میں ہر مسلم ملک کی مضبوط فوج ہی اس ملک کے لئے المیہ بنتی جارہی ہے۔ پاکستان میں تین عشروں سے زیادہ فوج ہضم کر گئی، عراق میں کرنل صدام حسین، مصر میں جنرل حسنی مبارک اور اب جنرل سیسی، لیبیا میں کرنل معمر قذافی وغیرہ نے ملّتِ اسلامیہ کو فوجی شب خون کے تحفے دیے اور آمریت کو پروان چڑھایا۔ بنگلہ دیش کی الم ناک صورتحال بھی فوجی مہم جوئیوں کا تحفہ ہے۔ ملت کے ان حالات میں فوج دراصل بیرونی مداخلت کی بجائے گھر کے اندر سے، حفاظت کی بجائے قبضہ وغلبہ کا رویہ اختیار کر لیتی ہے اور ملک کے مقتدر اداروں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وقتِ موجود کے حکمران کی ہاں میں ہاں ملا کر، اپنی ملازمتیں یا سٹیٹس کو کو بچائیں۔ پھر ایک طرف یہ فوجی حکمران عالمی طاقتوں کی تائید حاصل کرنے اور رکھنے کے لئے اُن کے مفادات کے رکھوالے بن کر، اُن کے اس وقت تک کے لئے منظورِ نظر بن جاتے ہیں جب تک اُن کے ایجنڈے کی تکمیل کرتے رہیں اور دوسری طرف ملک میں خوشامد اور چاپلوسی کا طوفان گرم ہوتا ہے، معاشرہ میں میرٹ اور محنت کا قتل ہو کر وہ صورتِ حال بنتی ہے جس کو آج اہل پاکستان جھیل رہے ہیں: قوم منتشر اور ادارے تباہ، ذرائع وسائل کا ضیاع۔ ان حالات میں وہ مسلم ممالک جو مضبوط فوج کا رسک نہیں لیتے کہ گھر پر محافظ ہی قبضہ نہ کر لیں، مثلاً سعودی عرب وامارات وغیرہ ... تو وہ بیرونی حکومتوں کے مرہونِ منت بن جاتے ہیں اور ان کا تحفظ عالمی قوتوں کی خوشامد سے مشروط ہو جاتا ہے، جو اپنی من مانی کرتی ہیں۔ ملّتِ اسلامیہ کے داخلی مراکزِ قوت کے انتشار کا یہ مسئلہ دراصل انتظام واستحکام کا معاملہ ہے جس کے خلاف مضبوط منصوبہ بندی اور چیک اینڈ بیلنس کا داخلی اور بین الملی نظام بنانا ہو گا۔ جب تک کچھ مسلم ممالک پوری طرح استحکام حاصل نہیں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کر لیتے، ملت اسی طرح غیروں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہے گی۔

اسلام کے خلاف پروپیگنڈا

فوج کے اس کردار سے منسلک مسئلہ اسلام اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کا بھی ہے۔ اسلام احیائی نظریات کا ایک بڑا اور ایمان پرور محور ہے۔ مزاحمت اور احیا کی ہر تحریک اسلام سے قوت حاصل کرتی ہے حتیٰ کہ اُن کے دنیوی مفادات بھی اسلام کے نعرے تلے پروان چڑھتے ہیں۔ غصب و استیلا کے اس سارے دور میں سب سے زیادہ حکومتیں جس نظریے کو رگیدتی ہیں، اور اس پر مشکلات و کڑی آزمائشیں آتی ہیں، وہ اسلامی تشخص اور دینی شعائر و احکام ہیں۔

مصر میں جمہوریت کے قیام کی جدوجہد ہو یا غاصبانہ حکومتی اقدامات، سب کا نشانہ سراسر اسلام اور دینی جماعتیں ہیں۔ بنگلہ دیش میں پاکستان اور مسلم اُمّہ کے ساتھ روابط کا مسئلہ ہو تو وہاں کی دینی جماعتوں کا یہ قصور سب سے بڑا ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کے جسدِ واحد کے نظریے کو کیوں پروان چڑھاتی ہیں، انہی دنوں اس 'سنگین جرم' کی بنا پر جماعتِ اسلامی کو بنگلہ دیش میں غیر آئینی جماعت قرار دے کر اسلامی تحریک ہونے کی سزا دی گئی اور اس کے ۹۰ سالہ امیر کو عمر قید کی سزا سنائی گئی ہے۔ ڈھاکہ میں گذشتہ دنوں قاہرہ کی طرح ہی ہزاروں کارکنوں کو راتوں رات موت کی نیند سُلا دیا گیا۔ پاکستان میں شمالی علاقہ جات میں جاری جہادی تحریک جو اسلام کے ساتھ ساتھ افغانوں کے ساتھ نسلی ہم آہنگی کی بھی تحریک تھی، وگرنہ مسلمان ہونے کے ناطے یہ مسئلہ پنجابی مسلمان کا بھی تھا، اس میں پاکستان کے حکمرانوں نے میڈیا کی ملی بھگت سے اسلام بلکہ طالبانیت کو ایک گالی بنا کے چھوڑا۔ بلوچستان میں بلوچ برادری کی طرف سے انتقام کی تحریک بھی اسلام کے پردے میں ہے۔ ہر مقام پر مزاحمت کار اسلام سے تقویت حاصل کرتے ہیں اور نتیجتاً اسلام ہر جگہ حکومتی اقدامات کا نشانہ ٹھہرتا ہے۔

القاعدہ کا پورا استدلال اسلام کی بنا پر قائم ہے، سعودی یا مسلم حکمرانوں کے خلاف اُٹھنے والے ہر تحریک میں اسلام ہی مرکزی حوالہ ہے۔ اس بنا پر گذشتہ دو عشروں میں مسلم اُمّہ میں سب سے زیادہ اسلام کے نظریے کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کو اگر کچھ نہیں کہا جا سکتا تو جو شخصیت یعنی عالم دین اس کی ترجمانی کرتا ہے، اس کو کٹھ ملائیت کے نام پر خوب رگیدا جاتا ہے۔ قرآنی آیات اور اسلامی اسباق کو نصاب سے نکال دیا جاتا اور مذہبی شعائر کو کھلے عام تنقید کا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ وہ مشترکہ ہدف ہے جس پر مغربی قوتیں بھی متفق ہیں کہ وہ اپنے ہاں بھی اسلام کی بڑھتی قوت سے خائف ہیں۔ ان حالات میں ہم مسلمانوں نے اسلام پر عمل میں تو کوئی خاص سرگرمی نہیں دکھائی لیکن اسلام سے اپنے اہداف حاصل کرنے کے لئے کام خوب لیا ہے، نتیجتاً اسلام پر بھی بہت لے دے ہوئی ہے اور میڈیا نے بھی اسلام کے خلاف بہت حصہ ڈالا ہے، اب میڈیا بھی صرف اسی اسلام کو پروان چڑھاتا ہے جو شارٹ کٹ اسلام یعنی ورد وظائف، استخارہ و دعا پر مبنی ہے۔

پاکستان میں عدلیہ و فوج کے خلاف مزاحمت ہو، حکومت و ریاست کے خلاف بیان بازی کی جائے تو اس کے دفاع میں مستحکم ادارے موجود ہیں جو اپنا آئینی تشخص حاصل کر کے رہتے ہیں لیکن اسلام ہی ایسا مظلوم ہے جو صرف اپنے نظریے کی قوت پر اپنا دفاع کرتا ہے۔ اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ہمیشہ سے مسلمان اسلام کی حفاظت کے تقاضوں سے روگردانی کرتے رہے اور اسلام نے ہی ہر مشکل موقع پر مسلمانوں کی حفاظت کی ہے لیکن اس سے معاشرے میں اسلامی رجحانات پر کڑی ضربیں لگتی ہیں۔ پاکستان کے حالیہ انتخابات میں بھی اسلامی جماعتوں کی کامیابی نہ ہونے اور اسلام کو بطورِ سیاسی نعرہ اختیار نہ کرنے کی وجہ یہی تھی کہ اسلامی تشخص، ۱۰ سالہ دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ میں سب سے زیادہ نشانہ بنا ہے۔ مصر میں بھی مستقبل قریب میں اخوان المسلمون اور النور پارٹی کے خلاف حکومتی ظلم و ستم میں نظریۂ اسلام کو ہی نشانہ بنایا جائے گا، اور اس صورتِ حال کو سمجھنا اور اس کا دفاع کرنا، اس کے لئے مناسب حکمتِ عملی تیار کرنا امّت مسلمہ، دینی قیادت اور مخلص حکمرانوں کا اہم فریضہ ہے۔

میڈیا مغرب کا آلہ کار

دنیا بھر میں اپنے مقاصد کو پانے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ماس میڈیا اس وقت مغرب کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ مسلم اُمّہ کے درجنوں ممالک گذشتہ دو عشروں سے مصائب و مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ یمن، شام، لیبیا، تیونس، سوڈان، نائیجیریا، عراق، ترکی، بنگلہ دیش، افغانستان، مصر، پاکستان اور وسط ایشیائی ریاستیں یہ تمام ممالک سنگین ترین حالات میں تشکیل نو کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہمیں ان کے حالات اور تجربات سے لمحہ بہ لمحہ آگاہی ہونا چاہئے لیکن ان ممالک سے قطع نظر ہمیں تو اپنے ملک کے شمال میں وزیرستان اور قبائلی علاقہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جات کی حقیقی صورتحال کا بھی علم نہیں کہ اُن کے اصل مسائل کیا ہیں۔ ہم اپنے پڑوس میں افغانستان میں جاری امریکی جارحیت کے حقائق سے آگاہ نہیں۔ مجاہدین کے میڈیا کو دیکھیں تو وہ ہر سُو اپنی کامیابیوں کی نوید سناتے ہیں، دوسری سمت عالمی میڈیا ایک اور منظر کشی کرتا ہے۔ مصر میں تحریکِ بغاوت کے دوران مغرب اور اس کا پٹھو پاکستان کا مین سٹریم میڈیا بار بار ان مناظر کو فوکس کرتا رہا جو صدر مرسی کی مخالفت میں جمع تھے، لیکن عرب کے ایک دو براہِ راست ٹی وی ذرائع پر پتہ چلا کہ عین اسی وقت قاہرہ اور کئی شہروں میں اس سے کہیں درجے بڑے اجتماعات مرسی کی حمایت میں اکٹھے تھے۔

مغربی میڈیا ہمیں لہو و لعب کے بے تحاشا تفصیلات دکھاتا اور اس میں اُلجھائے رکھتا ہے اور ہمیں اپنے گھر کی خبریں اپنے مخالفین کی زبانی سننے کی اذیّت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہمارے 'جمہوریت نواز' میڈیا کی اخلاقی حالت تو یہ ہے کہ وہ غاصب حکومت کے خلاف اخوان کے پر امن مظاہروں میں شہید ہونے والے مسلمانوں کو شہید لکھنے سے ابھی تک انکاری ہے اور ان کے لئے قتل کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ کیا اس کے لئے ہمارے میڈیا کو بڑے لمبے چوڑے ہدایت نامے یا لیکچر کی ضرورت ہے یا صرف غیرتِ ایمانی اور اخوت اسلامی کا جذبہ ہی کافی ہے۔

یہ دور انفرمیشن کا دور ہے اور ہر ملک کے اخبارات و رسائل، دنیا کے ہر شخص کی دسترس میں ہیں، اس کے باوجود آج بھی ہم برادر مسلم ممالک کی خبروں کے لئے غیروں کے محتاج ہوں تو یہ احتیاج قابل رحم ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کی اپنی نیوز ایجنسی ملت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہمارے کڑوڑوں کمانے والے ابلاغی ادارے کیا اس صلاحیت سے محروم ہیں کہ ان ممالک میں براہِ راست اپنے نمائندے مقرر کر کے، ملتِ اسلامیہ کے مختلف گھروں میں ہونے والے المیوں سے ہمیں براہِ راست باخبر کریں۔ یہ مسئلہ دراصل شعور و انتظام کا نہیں بلکہ میڈیا کے رجحان کا ہے کہ وہ انہیں عالمی ایجنسیوں سے شائع کی جانے والی خبروں پر اچھی ریٹنگ کی رشوت اور اُن کی تھپکی ملتی ہے۔

ملتِ اسلامیہ کے آئندہ سال بڑی شورشوں اور تبدیلیوں کے سال ہیں، عرب سپرنگ کا سلسلہ ابھی نتائج پیدا کرے گا، جہادی معرکے کسی نہ کسی انجام کو پہنچیں گے، ان حالات میں اگر کوئی دینی تحریک و تنظیم ان حالات کو براہِ راست میسر کرنے کی ذمہ داری بھی پوری کرے تو یہ عظیم ملی خدمت ہوگی، اسی کے نتیجے میں ملتِ اسلامیہ ایک جسد واحد کے شرعی تصور کی طرف

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پیش قدمی کرسکتی ہے۔ مصر وشام کے ان خون آشام حالات میں سب سے زیادہ جس امر کا احساس ہوتا ہے وہ اُن سے ناواقفیت اور عدم آگاہی کا ہے اور ہمارے میڈیا پر ہونے والے تبصرے ملت کے حالات سے لاعلمی، جہالت اور عدم دلچسپی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

④ ملتِ اسلامیہ؛ احیا کی جانب منزل بہ منزل

ملتِ اسلامیہ میں بڑھنے والا شعور، تلخ تجربات کی بھٹی سے نکل کر نتائج کے نکھار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور مغرب کے آے روز بڑھتے مظالم کا منطقی نتیجہ نکل کر رہے گا۔ ملتِ اسلامیہ دنیاجہاں کی نعمتوں اور قوتوں سے مالا مال ہے اور ان میں احیائی تحریکیں روز بروز آگے بڑھ رہی ہیں۔ ان تلخ حقائق میں امریکہ کی سرپرستی میں، مغربی استعماری قوتوں کا کھیل آہستہ آہستہ واضح ہوتا جارہا ہے۔ برطانیہ سمٹ کر امریکہ کا پالتو کتا بن چکا ہے، فرانس وجرمنی میں اسلام بذاتِ خود ایک قوت بنتا جارہا ہے۔ یہی چار ممالک دراصل اہل اسلام کے خلاف متحد ہیں۔

اس کے بالمقابل ایران وپاکستان کی ایٹمی وعسکری طاقت، دونوں میں امریکہ کے خلاف مزاحمانہ حکومتیں، ترکی وملائیشیا کی معاشی وصنعتی طاقت، مصر، الجزائر، تیونس، اور لیبیا میں پر فضا عرب بہار، شام وعراق اور فلسطین وافغانستان میں جہادی معرکے اور خالص اسلام کا احیا، سعودی عرب کی نظریاتی قوت، اور خلیجی ریاستوں کی مادی صلاحیت ... ہر ملک میں اپنے اپنے طور پر پیش قدمی تیزی سے جاری ہے۔ ان حالات میں مصر میں اخوان المسلمین کی کامیاب حکومت، سعودی عرب اور پاکستان کے قریبی تعلقات کے ساتھ ایک مضبوط ترین اسلامی سنّی بلاک کی تشکیل میں بڑی مددگار ثابت ہوتی۔ مصر کی یہی غیر معمولی قوت، اس کے لئے سنگین آزمائش کا سبب بنی۔ مصر ہمیشہ سے عالم عرب کا قائد رہا ہے اور سعودی عرب کی مضبوط مادی ونظریاتی حکومت کے باوجود ماضی میں بھی مصر کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکا۔

ملت اسلامیہ اس وقت بدترین بحرانوں سے دوچار ہے، ہر سمت سے ملت اسلامیہ کے جسد کو زخمی کیا جارہا اور اس کے زخموں سے خون رِس رہا ہے۔ سیاسی منصب پر فائز کوئی حکمران ہلکی سی آواز بھی بلند نہیں کرتا، اور ان کے نمائندہ ادارے مغربی مفادات کے علم بردار بلکہ پٹھو بنے ہوئے لیکن یہ صورتحال بہت دیر تک طویل نہیں ہوگی۔ مغربی استعماری دیواروں کو چند دھکے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لگنے کی ضرورت ہے اور ملتِ اسلامیہ میں ہر سو ہونے والی یہ تجدید آخر کچھ مراکز پر مجتمع ہو کر ملتِ اسلامیہ کو احیا اور آزادی کی نعمت سے مالا مال کر کے رہی گی۔ اللہ کے ہاں قوموں کی تاریخ سالوں کی بجائے عشروں پر محیط ہوتی ہے۔ اور مستقبل کے عشرے ملتِ اسلامیہ کے عشرے ہیں بشرطیکہ اسلامیت کا شعور، خالص اسلام کا احیا اور اس کے لئے قربانی وجدوجہد کا یہ سلسلہ جاری ہے تو مغرب کے یہ استعماری بندھن ایک ایک کر کے ٹوٹتے جائیں گے، مسلمانوں کے ہر طبقے میں بے چینی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے اور وہ اس غلامی کے بندھن توڑنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

جب یہ مسلم دنیا اپنے اصل حقائق پر متشکل ہو گی تو ۱۹۵۰ء کے بعد سے آزاد ہونے والے مسلم ملک حقیقی آزادی کی منزل حاصل کر لیں گے۔ اس کے لئے مسلمانوں کو اقوام متحدہ اور آئی ایم ایف جیسے استعماری اداروں کے متبادل اپنے اداروں، باہمی تعلقات، تجارت اور روابط وتعلقات کو مضبوط وپختہ کرنا ہو گا۔ معلومات کی تیز رفتار ترقی، آخر کار اُمت مسلمہ کو بھی متحد کر کے رہے گی۔ اسلام کے خادموں کو اپنی حقیقی قوت کا شعور کرنا ہو گا، جو اسلامی نظریے اور ملی اُخوت میں پنہاں ہے۔ مصر میں جاری کشمکش پس قدمی کی بجائے، پیش قدمی کی طرف جائے گی۔ اسلام کی نظریاتی قوت کا سامنا اہل مغرب نے اپنے دورِ عروج میں کبھی نہیں کیا، اُنہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو منتشر کر کے اور مفادات کا لالچ دے کر اپنے اہداف پورے کئے ہیں۔ لیکن اب یہ استعماری اہداف روز بروز مزید در مزید تکلف و تصنع سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں۔ ملت کو اپنے تعلیم وتربیت کے عمل اور باہمی رابطے زبان و تجارت کو پروان چڑھانا ہو گا۔

جس دن چار اہم اسلامی ملک اپنے مفادات کے لئے یکسو ہو گئے، وہ دن مغرب کے زوال کا نقطہ آغاز ہو گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ ملت کو اسلام سے قریب تر اور دیگر ادیان پر غالب کرنے کے اس عمل اور دینی فریضہ میں کون مسلمان کہاں کھڑا نظر آتا ہے۔ اس کے دامن میں عمل اور حرکت کتنی ہے؟ دین کے لئے کام کرنے والے اداروں، تحریکوں، تنظیموں اور شخصیات کو ان وسیع تر حقائق کو پیش نظر رکھ کر اپنی حکمتِ عملی اسلام کے وسیع ترین مفاد میں تشکیل دینا چاہئے۔ السعی منا والاتمام من اللہ

(ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

شیخ محمد ناصر الدین البانی
مترجم: طارق علی بروہی

اسلامی معاشروں میں دعوتِ دین کا منہج اور ترتیب

زیر نظر خطاب میں محدث العصر شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم سوال کا جواب دیا ہے کہ وہ کیا طریقۂ دعوت ہے جو مسلمانوں کو عروج کی طرف گامزن کردے اور وہ کیا راستہ ہے کہ جسے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ اُنہیں زمین پر غلبہ عطا کرے گا اور دیگر اُمّتوں کے درمیان جو اُن کا شایانِ شان مقام ہے، اس پر فائز کرے گا؟... اس کے جواب میں اُنہوں نے دعوتی موضوعات کی ترتیب کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا ہے کہ داعیانِ اسلام کو ایسے اصل الاصول سے اپنی دعوت کا آغاز کرنا چاہئے جو انبیا کی دعوت کا مرکزی نکتہ رہا ہے اور ہر مسلمان پر اوّلین فرض ہے یعنی توحید اور اس پر ایمان کے تقاضے۔ نیز ہر مسلمان کو اسلامی عقائد کو واضح طور پر سمجھ اور جان لینے کے بعد، حکمرانوں سے پہلے اسلام کی اس حکومت کو اپنی ذات اور خاندان پر قائم کرنا چاہئے۔ اپنی دعوتی ترجیحات کو سیاست و حاکمیت اور غلبہ دین پر قائم کرنا اُسوہ رسل کے خلاف، دینی ترجیحات کے منافی ہے اور یہ مسلمانوں پر تکلیف مالا یطاق بھی ہے۔ اُنہوں نے کھلے الفاظ میں کہا ہے کہ پورا دین اسلام ایک اکائی ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جاسکتا اور دین کے تمام پہلو اہم ہیں اور وہ اُن کی اہمیت کم نہیں کرنا چاہتے لیکن داعیان کی ترجیحات اور مدعوین کا اوّلین فرض، اُسوۂ نبوی اور دعوتی حکمتِ عملی کے حوالے سے واضح رہنا چاہئے۔ عرب ممالک میں میسّر آزادی اور درپیش حالات کے تناظر میں اُن کا یہ موقف قابل مطالعہ و استفادہ ہے۔ ح م

توحید سب سے پہلے؛ اے داعیانِ اسلام!... توحیدِ کامل کی دعوت

سوال: فضیلۃ الشیخ! آپ جانتے ہیں کہ اُمّتِ مسلمہ کی دینی حالت، عقیدہ اور اعتقادی مسائل سے لاعلمی اور اپنے مناہج میں اختلاف و افتراق کے اعتبار سے نہایت ابتر ہے اور دنیا بھر میں دعوتِ اسلام پہنچانے میں اُس عقیدۂ اوّل اور منہج اول سے اکثر غفلت برتی جاتی ہے جس

magazine.mohaddis.com

کے ذریعہ اُمّت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔ یہ الم ناک حالت یقیناً مخلص مسلمانوں کے اندر ایمانی غیرت وحمیّت کو اُبھارتی ہے اور اس کو بدل دینے اور اس خلل کی اصلاح کرنے کی جانب اُنہیں متوجہ کرتی ہے، مگر جیسا کہ فضیلۃ الشیخ آپ جانتے ہیں کہ اپنے میلاناتِ عقیدہ و منہج میں اختلاف کی وجہ سے وہ اس اصلاح کے لئے بروے کار لائے جانے والے طریقۂ کار میں اختلاف کا شکار ہیں۔ پھر ان مختلف تحریکوں اور اسلامی گروہی جماعتوں کو بھی آپ جانتے ہیں جو برسوں، دہائیوں سے اُمّت کی اصلاح کا ڈنڈھورا پیٹ تو رہی ہیں، مگر اس کے پیروی کر کے اُن کے لئے آج تک کوئی نجات یا فلاح رقم نہیں ہوسکی، بلکہ اس کے برعکس ان تحریکوں کی وجہ سے فتنے اُبھرے، آفتوں کا نزول ہوا اور عظیم مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے عقیدہ و منہج میں رسول اللہ ﷺ کے حکم اور جو کچھ آپ ﷺ لے کر آئے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس بات نے مسلمانوں خصوصاً نوجوانانِ اُمت میں اس صورتحال کے علاج کی کیفیت کے بارے میں ایسا گہرا اثر چھوڑا ہے کہ سب حیران وپریشان ہیں۔ اندریں حالات ایک مسلمان داعی جو منہج نبوت کی پابندی اور سبیل المومنین کی اتباع کرتا ہے، فہم صحابہ اور جنہوں نے بطریقۂ احسن اُن کی پیروی کی، اُن کی بجاآوری کرتا ہے، وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس صورتحال کی اصلاح یا اس کے علاج میں شریک ہونے کا عزم کر کے اُس نے ایک عظیم امانت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

آپ کی کیا نصیحت ہے ایسی تحریکوں یا جماعتوں کی پیروکاروں کے لئے؟

اور اس صورتحال کے علاج کے کون سے نفع بخش اور مفید طریقے ہیں؟

اور ایک مسلمان کس طرح بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے بریٔ الذمہ ہوگا؟

جواب از محدثِ زماں علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

انبیاء و رسل علیہم السلام کے منہج کے مطابق سب سے پہلے توحیدِ ربانی کی خصوصیت سے دعوت دینا اور اس کا اہتمام کرنا واجب ہے۔ مسلمانوں کی جو زبوں حالی ابھی سوال میں بیان ہوئی، ہم اس پر مزید بیان کریں گے، وہ یہ کہ

یہ الم ناک صورتحال اس سے بدتر نہیں جو صورتحال جاہلیت میں عرب کی ہوا کرتی تھی کہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جب اُن میں ہمارے نبی محمد رسول ﷺ مبعوث ہوئے۔ کیونکہ ہمارے پاس تو رسالت موجود ہے، اور اس کی تکمیل بھی، اور ایسا گروہ بھی جو حق پر قائم ہے، جن کے ذریعے ہدایت ملتی ہے، اور یہ طائفہ منصورہ لوگوں کو عقیدہ وعبادت اور سلوک و منہج کے اعتبار سے صحیح اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔

بلاشبہ مسلمانوں کے بہت سے گروہوں کی جو حالت ہے، وہ دورِ جاہلیت کے عرب کی مانند ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اُن کا علاج بھی وہی علاج ہے، اور ان کی دوا بھی وہی دوا ہے۔ چنانچہ جیسے نبی اکرم ﷺ نے اس جاہلیتِ اوّل کا علاج کیا تھا، اسی طرح تمام موجودہ داعیانِ اسلام کو کلمۂ توحید لا إله إلا الله (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) کے سوے فہم کا علاج کرنا ہوگا، اور اُنہیں چاہئے کہ اپنی اس الم ناک حالت کا اسی دوا سے علاج کریں۔ اس کا معنیٰ بالکل واضح ہے، اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور تدبر کریں:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾[1]

"یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا اور بکثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔"

سو مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کی اصلاح اور ہر زمانے کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ ہی بہترین نمونہ ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسی چیز سے ابتدا کریں جس سے ہمارے نبی ﷺ نے ابتدا کی تھی یعنی سب سے پہلے مسلمانوں کے فاسد عقائد کی اصلاح کرنا، پھر اِس کے بعد اُن کی عبادتوں کی، اور پھر اُن کے رویوں میں پائے جانی والی خرابیوں کی۔

میری اس ترتیب سے کہ سب سے پہلے اہم ترین چیز سے شروع کرنا چاہئے پھر اس کے بعد جو اہم ہو، پھر جو اس کے بعد، سے مراد یہ نہیں کہ میں ان میں تفریق کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ مسلمان اِس کا خصوصی اہتمام کریں۔ یہاں مسلمانوں سے میری مراد بلاشبہ داعیانِ اسلام ہیں۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ میں کہوں کہ مسلمانوں کے علما، کیونکہ صد افسوس

[1] سورۃ الاحزاب: ۲۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آج 'داعیان' کے اندر ہر مسلمان داخل ہو چکا ہے خواہ وہ علمی طور پر بالکل کنگال ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ اپنے آپ کو داعیانِ اسلام میں شمار کرنے لگتا ہے۔

اگر ہم اس معروف اصول کو یاد رکھیں جو صرف علمائے کرام ہی نہیں بلکہ ہر عقل مند جانتا ہے: "فاقد الشيء لا يعطيه" (جو کسی چیز کا خود حامل نہیں وہ دوسروں کو نہیں دے سکتا)۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مسلمانوں پر مشتمل ایک بہت بڑا گروہ ہے، جب دعاۃ (داعیوں) کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اُن کی طرف لوگوں کی نظریں اُٹھتی ہیں۔ میری اس سے مراد 'تبلیغی جماعت' ہے، باوجود اس کے کہ 'اکثر لوگوں' پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۷﴾[1] "اور اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اُن کے طریقۂ دعوت کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ جن اُمور کا میں نے ابھی ذکر کیا یعنی عقیدہ، عبادت اور سلوک، اُن میں سے پہلی یا اہم ترین بات کے اہتمام سے وہ مکمل طور پر اِعراض برتتے ہیں۔ اس اصلاح سے جس سے نہ صرف رسول اللہ ﷺ نے بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے آغاز فرمایا، جسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾[2]

"ہم نے ہر اُمّت میں ایک رسول بھیجا جس نے یہی دعوت دی کہ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔"

پس یہ لوگ اس بنیادی دعوت اور ارکانِ اسلام کے اس رکنِ اوّل کی قطعاً پروا نہیں کرتے جیسا کہ اہل علم مسلمان اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ توحید ہی وہ بنیادی اساس ہے جس کی دعوت تمام رسولوں میں سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام تقریباً ہزار سال دیتے رہے۔ سب جانتے ہیں کہ پچھلی شریعتوں میں ان احکامِ عبادات و معاملات کی تفصیل موجود نہ تھی جو ہمارے دین میں معروف ہیں، کیونکہ یہ دین تمام سابقہ شریعتوں اور ادیان کو ختم کرنے والا ہے، اس کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں پچاس کم ہزار سال رہے اور اپنا تمام تر وقت

۱ سورۃ الاعراف:۱۸۷
۲ سورۃ النحل:۳۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور اہتمام اسی دعوتِ توحید پر صرف فرمایا، لیکن اُن کی قوم نے اُن کی دعوت سے اِعراض برتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں بیان فرمایا: ﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ﴾[1]

"اور اُنہوں نے کہا: ہر گز نہ چھوڑنا اپنے معبودات کو، نہ چھوڑنا وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو۔"

پس یہ دلائل اس بات پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ وہ داعیان کو جو 'صحیح و برحق اسلام' کی جانب دعوت دینا چاہتے ہیں، اُن کے نزدیک سب سے اہم چیز اور جس کی دعوت کا ہمیشہ اہتمام خاص کرنا چاہئے وہ دعوتِ توحید ہے اور یہی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[2]

"جان لو، اس بات کا علم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔"

اور یہی تھی سنتِ نبوی ﷺ عملاً وتعلیماً...!!

جہاں تک اُن کے فعل کا تعلق ہے تو اس پر زیادہ ڈھونڈنے یا ریسرچ کی ضرورت نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے مکی دور میں آپ ﷺ کے افعال اور دعوت کا غالب حصہ اپنی قوم کو اس بات کی دعوت دینے پر منحصر تھا کہ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں۔

جہاں تک تعلیم کا معاملہ ہے تو انس بن مالکؓ کی حدیث میں ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تو حکم ارشاد فرمایا:

«فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ الله، فَإِذَا عَرَفُوا الله، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الله قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا فَعَلُوا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الله فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِذَا أَطَاعُوا بِهَا، فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ»[3]

---

۱ سورۃ نوح: ۲۳

۲ سورۃ محمد: ۱۹

۳ صحیح بخاری: ۱۴۵۸؛ صحیح مسلم: ۱۹؛ سنن ابوداؤد: ۱۵۸۴؛ جامع ترمذی: ۶۲۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

" سب سے پہلے اُنہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں (یعنی اسلام قبول کر لیں) تو اُنہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اسے بھی ادا کریں تو اُنہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض قرار دی ہے جو ان کے سرمایہ داروں سے لی جائے گی (جو صاحب نصاب ہوں گے) اور اُنہیں کے فقیروں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کر۔ البتہ ان کی عمدہ چیزیں (زکوٰۃ کے طور پر لینے سے) پرہیز کرنا۔" [1]

یہ حدیث لوگوں کو معلوم ہے اور بہت مشہور ہے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی چیز سے ابتدا کرنے کا حکم فرمایا جس سے خود آپ ﷺ نے ابتدا فرمائی تھی اور وہ توحید کی جانب دعوت تھی۔ بلاشبہ وہ مشرکین عرب جو اس بات کو خوب اچھی طرح سے سمجھتے تھے جو اُن کی زبان میں کہا جاتا تھا، اُن میں اور مسلمانوں کی آج کل ایک غالب اکثریت میں بہت فرق ہے جنہیں اس بات کی آج دعوت نہیں دینی پڑتی کہ وہ زبان سے "لا إله إلا الله" کہیں کیونکہ یہ سب تو پہلے ہی اپنے مذاہب، طریقوں اور عقائد کے اختلافات کے باوجود اس کے قائل ہیں۔ یہ سب کہتے ہیں کہ لا إله إلا الله، لیکن درحقیقت یہ اس بات کے زیادہ ضرورت مند ہیں کہ وہ اس کلمۂ طیبہ کا فہم حاصل کریں۔ یہ ایک بنیادی فرق ہے ان اوّلین عرب میں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے جب اس بات کی دعوت دی کہ وہ لا إله إلا الله کہیں تو وہ تکبر کرتے تھے جیسا کہ قرآنِ کریم میں صریحاً بیان ہوا۔ [2]

وہ کیوں تکبر کرتے تھے؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کلمے کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابری والا نہ بناؤ اور نہ ہی اس کے سوا کسی کی عبادت کرو، جبکہ وہ اس کے سوا اوروں کی

---

۱ حدیث میں آگے یہ بیان ہوا ہے کہ "اگر وہ یہ شہادتیں تسلیم کر لیں تو پھر اُنہیں خبر دینا پنج وقتہ نماز کی فرضیت کی، اگر وہ بھی مان لیں تو پھر خبر دینا زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں۔" (مترجم)

۲ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے:
﴿ إِنَّهُمْ كَانُوٓا۟ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوٓا۟ ءَالِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۝ ﴾
"ان مشرکوں سے جب یہ کہا جاتا تھا: لا إله إلا الله (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں) تو وہ تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودات کو ایک شاعر و مجنون کے کہنے پر چھوڑ دیں گے۔"

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بھی عبادت کرتے تھے۔ پس وہ غیر اللہ کی نذر و نیاز، غیر اللہ سے توسل، غیر اللہ کے لئے ذبح اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا دوسرے احکام پر چلتے یہاں تک کہ وہ غیر اللہ سے استغاثہ (فریاد) تک کرتے تھے۔

یہ وہ مشہور شرکیہ اور وثنیہ (بت پرستی، قبر پرستی وغیرہ) وسائل ہیں جن میں وہ مبتلا تھے، اس کے باوجود وہ اس کلمۂ طیبہ لا إله إلا الله کے لوازم کو عربی لغت کے اعتبار سے جانتے تھے کہ ان تمام اُمور کو چھوڑنا پڑے گا، کیونکہ یہ لا إله إلا الله کے معنیٰ کے منافی اُمور ہیں۔

'کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے والا مسلمان ہے!' کا صحیح مفہوم

جبکہ آج کے مسلمان جو "لا إله إلا الله" کی گواہی دیتے ہیں وہ اس کے معنیٰ اچھی طرح نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کا مکمل طور پر برعکس معنیٰ سمجھتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں:

اُن میں سے بعض نے "لا إله إلا الله" کے معنیٰ پر ایک رسالہ 'تالیف کیا تو اس میں لا إله إلا الله کا معنی " لاربّ الا الله!!" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ربّ نہیں) کیا۔ یہ تو وہ معنیٰ ہے جس پر مشرکین بھی ایمان رکھتے تھے، اور اسی پر وہ گامزن تھے، مگر ان کے اس ایمان نے اُنہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾

"اور (اے نبی ﷺ) اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے تو وہ ضرور بالضرور کہیں گے کہ: اللہ (ہی) ان کا خالق ہے۔"

پس مشرکین اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جس کا کوئی شریک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کی برابری والے اور شریک مقرر کرتے تھے۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ رب واحد ہے مگر معبودات بہت سے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کو ردّ فرمایا اور اپنے اس فرمان سے اسے اللہ تعالیٰ کے

---

۱ یہ صوفی طریقہ 'شاذلیہ' کے شیخ محمد ہاشمی ہیں جو ملک شام میں تقریباً پچاس سال سے شیخ یا پیر صاحب ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سوا دوسروں کی عبادت کرنا قرار دیا:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ﴾[1]

"جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور اولیا بنا رکھے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم اُن کی عبادت نہیں کرتے مگر اسی لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قربت اور نزدیکی دلا سکیں۔"

مشرکین یہ بات جانتے تھے کہ لا إله إلا الله کا اقرار اس بات کا متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک کی عبادت کو چھوڑنا ہو گا۔ جبکہ آج مسلمانوں کی غالب اکثریت اس کلمۂ طیبہ لا إله إلا الله (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں) کی تفسیر 'لا ربّ الا اللہ!' (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ربّ نہیں) کرتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان "لا إله إلا الله" کہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کرے تو وہ عقیدۃً مشرک ہی ہے اگرچہ ظاہری اعتبار سے وہ مسلمان ہے، کیونکہ اس نے کلمے "لا إله إلا الله" کو زبان سے پڑھا ہے تو وہ اس زبانی اقرار کے سبب لفظی اعتبار سے ظاہری مسلمان ہے۔ اسی وجہ سے ہم پر داعیانِ اسلام ہونے کے ناطے، توحید کی دعوت اور جو لا إله إلا الله کے معنی سے جاہل ہے اور اس کی عملاً مخالفت کرتا ہے، اس پر حجّت تمام کرنا واجب ہے۔ اُن کا معاملہ مشرکوں سے اس طور پر الگ ہے کہ جو لا إله إلا الله کہنے سے ہی انکاری ہے تو وہ مسلمان نہیں نہ ظاہراً نہ باطناً، جبکہ مسلمانوں کی آج یہ بہت کثیر تعداد (جن میں عقائد کا بگاڑ پایا جاتا ہے) ظاہراً مسلمان ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فإذا فعلوا ذٰلك عصموا منّي دماءهم وأموالهم إلا بحقّها وحسابهم علىٰ الله تعالىٰ»[2]

"اگر وہ اس کلمے کو پڑھ لیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال محفوظ کر لیں گے سوائے اسلامی اعتبار سے اُن کی جان و مال لینے کا کوئی حق بنتا ہو اور ان کے باقی اعمال کا حساب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر ہے۔"

اسی لئے میں ایک بات کرتا ہوں اور ایسی بات میں شاذ و نادر ہی کہتا ہوں کہ کلمے کے غلط فہم

---

۱ سورۃ الزمر:۳

۲ صحیح بخاری:۲۵؛ صحیح مسلم:۲۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کے اعتبار سے موجودہ دور کے بہت سے مسلمانوں کی حالت جاہلیت کے دور کے عام عربوں سے بھی گئی گزری ہے، کیونکہ مشرکین عرب اس کا فہم تو رکھتے تھے مگر اس پر ایمان نہ لاتے تھے، جبکہ آج مسلمانوں کی غالب اکثریت ایسی بات تو کہتے ہیں (یعنی لا إله إلا الله) لیکن وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ کہتے تو ہیں: لا إلٰه إلا الله مگر کماحقہ اس کے معنیٰ پر ایمان نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے میرا یہی اعتقاد ہے کہ حقیقی داعیانِ اسلام پر واجب ہے کہ وہ اس کلمے کے گرد اپنی دعوت کو قائم کریں اور سب سے پہلے اس کے حقیقی معنیٰ اختصار سے بیان کریں پھر اس کلمۂ طیبہ کے لوازم کا تفصیلی بیان کریں، کہ عبادات میں اس کی تمام تر صورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب مشرکین کا یہ قول ذکر فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ﴾[1]

"جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور اولیا بنا رکھے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اسی لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قربت اور نزدیکی دلا سکیں۔"

تو اللہ تعالیٰ نے ہر عبادت جو غیر اللہ کے لئے کی جائے، کو کلمۂ طیبہ لا إله إلا الله کا انکار قرار دیا۔ اسی لئے میں آج یہ کہتا ہوں: مسلمانوں کی جمعیتیں بنا لینے اور اُنہیں جمع کرنے سے مطلقاً کوئی فائدہ نہیں اگر ہم اُنہیں گمراہی میں ہی پڑا رہنے دیں اور اس کلمۂ طیبہ کا صحیح فہم اُنہیں بیان نہ کریں۔ محض اس طرح مسلمانوں کو جمع کر لینا اُنہیں اس دنیا تک میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا چہ جائیکہ آخرت میں کوئی فائدہ پہنچ پائے! ہم نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان جانتے ہیں:

«من مات وهو يشهد أن لا إلٰه إلا الله مخلصًا من قلبه حرّم الله بدنه علىٰ النار»[2]

"جو فوت ہوا اس حال میں کہ وہ لا إله إلا الله کی گواہی دیتا تھا، اپنے دل کے اخلاص کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دیا ہے۔"

١ سورۃ الزمر: ٣

٢ موسوعۃ الالبانی فی العقیدۃ: ٢/ ٣٤، ١٥

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور ایک دوسری روایت ہے میں کہ دخل الجنة[1] (جنت میں داخل ہوگا)۔ پس جنت میں دخول کی ضمانت دینا ممکن ہے، چاہے اس کے کہنے والے کو جہنم میں کسی بھی قسم کا عذاب ملنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ جو کوئی اس کلمے کا صحیح اعتقاد رکھتا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ عذاب سے دوچار ہو، اپنے ان گناہوں کی پاداش میں جن کا وہ مرتکب ہوا۔ مگر اس کا آخری ٹھکانہ تو جنّت ہی ہے۔ اس کے برعکس جس نے زبان سے تو اس کلمے کو ادا کیا مگر دل سے صحیح ایمان نہ رکھتا تھا تو اسے یہ آخرت میں کوئی بھی نفع نہ پہنچا سکے گا، البتہ دنیا میں کچھ فائدہ پہنچا دے جیسا کہ اگر مسلمانوں کی قوت وسلطنت ہو تو اُس سے قتال یا اُس کا قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن آخرت میں وہ اُسے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا، اِلا یہ کہ اس نے اوّلاً اس کے معنٰی سمجھ کر پڑھا ہو اور ثانیاً اس معنی کا اعتقاد بھی رکھتا ہو۔ کیونکہ صرف فہم کا ہونا کافی نہیں جب تک اس فہم کا اعتقاد بھی ساتھ نہ ہو۔

میرے خیال میں اکثر لوگ اس نکتے سے غافل ہیں اور وہ یہ کہ: ایمان کا فہم ہونا کافی نہیں جب تک دونوں اُمور یکجا نہ ہوں تاکہ وہ مؤمن کہلائے۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ میں سے بہت سے اہل کتاب جانتے تھے کہ محمد ﷺ سچے رسول ہیں، اپنی رسالت اور نبوت کے دعوے میں صادق ہیں، لیکن اس معرفت کے ہوتے ہوئے کہ جس کی گواہی ہمارے رب تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمائی: ﴿ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ ﴾[2]

"وہ اس (نبی محمد ﷺ) کو ایسے ہی جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔"

اس کے باوجود اس اکیلی معرفت نے اُنہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی فائدہ نہ پہنچایا، کیوں؟ کیونکہ اُنہوں نے آپ ﷺ کی اس رسالت ونبوت کی تصدیق نہ کی جس کا آپ ﷺ دعوٰی فرماتے تھے۔ اسی لئے معرفتِ ایمان سے پہلے ہے مگر اکیلی معرفت کافی نہیں، بلکہ معرفت کے ساتھ ساتھ ایمان وتسلیم لازمی ہے، کیونکہ مولیٰ کریم عزوجل کا قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ... ﴾[3]

"جان لو اور اس بات کا علم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور

---

۱ مسند احمد: ۲۲۶۲۵، صحیح ابن حبان: ۱/ ۴۳۰، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۳۵۵

۲ سورۃ البقرۃ: ۱۴۶

۳ سورۃ محمد: ۱۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔"

اس بنا پر جب ایک مسلمان اپنی زبان سے لا إلٰه إلا الله کہتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اس اقرار کے ساتھ اس کلمے کی مختصر پھر تفصیلی معرفت کو بھی شامل کرے۔ جب وہ اسے جان جاتا ہے اور اس کی تصدیق کر کے اس پر ایمان لے آتا ہے تو ایسے شخص پر ہی وہ احادیث صادق آتی ہیں جو ہم نے ابھی بیان کیں۔ جن میں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ جو میری بیان کردہ بات کی کسی قدر وضاحت کرتا ہے:

«من قال لا إله إلا الله، أنجته يومًا من دهره»[1]

"جس نے لا إلٰه إلا الله کہا، وہ اسے کبھی نہ کبھی ضرور فائدہ پہنچائے گا۔"

یعنی یہ کلمۂ طیبہ اس کے معنیٰ کی معرفت حاصل کر لینے کے بعد جہنّم میں ہمیشہ رہنے سے نجات کا سبب ہے۔ اسے میں اس لئے دُہراتا ہوں تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے: "یہ کلمہ نجات کا سبب بنے گا..." اگر اس کا قائل جس بات کا یہ کلمہ متقاضی ہے، اُنہیں بروئے کار لایا اور جو شرائطِ ایمان اس سے لازم آتی ہیں، اعمالِ قلبیہ ہوں یا ظاہری اعمال کے اُنہیں بجالایا۔[2]

اگرچہ اس کا قائل اس کے کمال کے تقاضوں جیسے عملِ صالح اور برائیوں سے اجتناب پر کاربند نہ بھی ہو سکا ہو لیکن شرکِ اکبر سے محفوظ رہا، تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے ارتکاب یا بعض واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کے سبب جہنم میں داخل ہو، پھر اسے یہ کلمۂ طیبہ نجات دلائے یا اللہ تعالیٰ اس سے اپنے فضل و کرم سے درگزر فرمادے۔[3]

یہ معنیٰ ہے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کا جس کا ذکر پہلے گزر چکا: «من قال لا إله إلا الله، نفعته يومًا من دهره» "جس نے لا إلٰه إلا الله کہا، وہ اسے کبھی نہ کبھی ضرور فائدہ

۱ السلسلة الصحيحة: ۱۹۳۲؛ الحلية الاولياء: ۵/۴۶؛ الطبرانی فی الأوسط: ۶۵۳۳

۲ جیسا کہ بعض علمائے کرام کا اجتہاد ہے جس کی کچھ تفصیل ہے جس کا یہ موقع محل نہیں۔

۳ یہی وہ عقیدہ سلف صالحین ہے جو ہمارے اور خوارج و مرجئہ کے درمیان حدِ فاصل ہے۔

magazine.mohaddis.com

پہنچائے گا۔" البتہ جو محض زبان سے اسے ادا کرے مگر اس کا معنیٰ نہ سمجھتا ہو، یا پھر معنیٰ تو سمجھتا ہو مگر اس معنی پر ایمان نہ رکھتا ہو، تو ایسے شخص کو اس کا لا إله إلا الله کہنا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس قریب کی دنیاوی زندگی میں اگر وہ حکومتِ اسلامی کے تحت جی رہا ہے تو اسے یہ فائدہ پہنچا سکتا ہے لیکن بعد میں آنے والی دائمی زندگی میں تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اسی لئے ضروری ہے کہ توحید کی دعوت پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھا جائے خواہ مسلمانوں کا کوئی بھی معاشرہ یا گروہ ہو جو حقیقتاً اور جلد از جلد یہ چاہتا ہے... جیسا کہ تمام جماعتیں یا اکثر جماعتیں یہ دعویٰ کرتی ہیں ... کہ ایسی سرزمین جہاں اللہ تعالیٰ کا شرعی نظام قائم نہیں، وہاں ایسے اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے ہوں۔ یہ جماعتیں یا یہ تنظیمیں ممکن نہیں کہ اس غایت وہدف کو پاسکیں جسے حاصل کرنے کے لئے یہ سب جمع ہیں اور اسے جلد از جلد حقیقت کا روپ دینے کے لئے کوشاں ہیں اِلاّ یہ کہ وہ اس چیز سے ابتدا کریں کہ جس سے رسول ﷺ نے ابتدا فرمائی تھی۔

عقیدے کا اہتمام کرنے کے وجوب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ باقی شرعی عبادات، سلوک، معاملات اور اخلاق سے لاپرواہی برتی جائے۔ میں دوبارہ متوجہ کروں گا کہ میرا یہ کہنا کہ "سب سے اہم ترین چیز سے شروع کیا جائے پھر جو اس کے بعد اہم ہو پھر جو اس سے کم تر" سے مراد یہ نہیں کہ داعیان اپنی دعوت کو محض اس کلمۂ طیبہ اور اس کے معنیٰ کے فہم تک محدود کر دیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو اس نعمت کو اپنا دین مکمل کر کے تمام کر دیا ہے! بلکہ ان داعیان کو چاہئے کہ اسلام کو بطور ایک ایسی اکائی کے لیں جو ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتی۔

میری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی داعیانِ اسلام کو چاہیے کہ اس چیز کا اہتمام خاص کریں کہ جو سب سے اہم ترین چیز اسلام لے کر آیا ہے یعنی مسلمانوں کو صحیح عقیدے کا فہم دینا جو کلمۂ طیبہ لا إله إلا الله سے ماخوذ ہوتا ہے، اس پر اپنی دعوت کو مستحکم کریں۔

کلمہ طیبہ کے تقاضوں کے مطابق عبادات وعقائد میں توحید

اس خلاصے کے بعد میں آپ کی توجہ اس جانب مبذول کروانا چاہوں گا کہ ایک مسلمان لاإله إلا الله کا معنیٰ فقط یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود موجود نہیں بلکہ اس سے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ ان عبادات کو سمجھیں جن کے ذریعہ ہم اپنے ربّ کی عبادت کر سکیں، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندے کے لئے ان عبادتوں کو اَدا نہ کریں۔ لازم ہے کہ اس تفصیل کا بیان بھی کلمۂ طیبہ کے اس مختصر معنیٰ کے ساتھ منسلک ہو۔ مناسب ہو گا کہ یہاں میں ایک یا اِس سے زیادہ مثالیں بیان کروں، کیونکہ اجمالی بیان کافی نہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ بلاشبہ بہت سے مسلمان جو حقیقی موحدین ہیں اور عبادتوں میں سے کوئی بھی عبادت غیر اللہ کے لئے ادا تو نہیں کرتے، لیکن ان کا ذہن بھی بہت سے ایسے صحیح افکار وعقائد سے خالی ہوتا ہے جن کا ذکر کتاب و سنت میں موجود ہے۔ پس ان موحدین میں سے بہت سے کئی آیاتِ قرآنی اور بعض احادیثِ مبارکہ پر سے گزر جاتے ہیں جو کسی بنیادی عقیدے پر مشتمل ہوتی ہیں مگر وہ اس عقیدے سے باخبر اور مطلع ہوئے بغیر اس پر سے گزر جاتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے اِتمام میں سے ہے۔

مثلاً یہ عقیدہ سامنے رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر علوّ وبلندی پر ایمان لانا۔ میں یہ بات اپنے تجربہ کی بنا پر جانتا ہوں کہ ہمارے بہت سے موحدین سلفی بھائی ہمارے ساتھ یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور بنا تاویل وتکییف کے اس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن جب ان کے پاس موجودہ دور کے معتزلی یا موجودہ دور کے جہمی، یا ماتریدی یا اشعری آکر اس آیت کے ظاہر کو بنیاد بنا کر کوئی شبہ اُن کے دلوں میں ڈالتے ہیں جس کا معنی نہ خود وسوسہ گر جانتا ہے اور نہ ہی وسوسے کا شکار، تو وہ اپنے عقیدے کے بارے میں حیران وپریشان ہو جاتا ہے، اور اس سے بہت دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے، کیوں؟ کیونکہ اس نے صحیح عقیدے کو جس کا بیان و وضاحت ہمارے ربّ کی کتاب اور ہمارے نبی محمد ﷺ کی حدیث میں پیش کی گئی ہے، ہر سمت سے اچھی طرح حاصل نہیں کیا۔ پس جب موجودہ دور کا کوئی معتزلی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں: ﴿ءَاَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ﴾[1]

"کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان پر ہے۔"

اور تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم نے اپنے

1 سورۃ الملک: ۱۵، ۱۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

معبود کو ایک مکان و جہت یعنی آسمان جو اسی کی مخلوق ہے میں متعین کر دیا!! چنانچہ وہ یہ شبہ اپنے مخاطب کے دل میں ڈالتا ہے۔

اس مثال سے میری مراد یہ بیان کرنا تھا کہ افسوس کی بات ہے کہ عقیدۂ توحید اپنے تمام ترلوازم اور مطالبات کے ساتھ بہت سے ایسے لوگوں تک کے ذہنوں میں بھی واضح نہیں جو خود سلفی عقیدے پر ایمان لائے ہیں۔ ان لوگوں کی تو دور کی بات رہی جو اس قسم کے مسائل میں اشاعرہ، ماتریدیہ اور جہمیہ کے عقائد کی پیروی کرتے ہیں۔ میں نے یہ مثال اس لئے پیش کی کیونکہ یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں جیسا کہ آج کچھ داعیان جو قرآن و سنت کی جانب دعوت میں ہمارے ہم نوا ہیں، تصور کرتے ہیں۔ یہ معاملہ اس لئے اتنا سہل نہیں جیسا کہ ان میں سے بعض دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ اس کا سبب وہی فرق ہے جو پہلے بیان ہوا کہ اوّلین جاہلیت کے حامل مشرکین (جنہیں جب دعوت دی جاتی کہ وہ لا إله إلا الله کہیں تو وہ انکار کرتے، کیونکہ وہ اس کلمۂ طیبہ کا معنیٰ جانتے تھے) اور موجودہ دور کے اکثر مسلمانوں میں کہ جب یہ کلمہ پڑھتے ہیں تو اس کا صحیح معنیٰ نہیں جانتے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جو اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات پر بلندی کے عقیدے کے بارے میں بھی اب پایا جاتا ہے، یہ بھی وضاحت کا متقاضی ہے اور یہی کافی نہیں کہ ایک مسلمان یہ عقیدہ رکھے: ﴿ٱلرَّحۡمَٰنُ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ٱسۡتَوَىٰ ۝﴾[1] ''وہ رحمٰن ہے جو عرش پر مستوی ہوا۔''

«ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء»[2]

''جو زمین میں ہیں، ان پر مہربانی کرو؛ جو آسمان پر ہے، وہ تم پر رحم فرمائے گا۔''

بنا یہ جانے کہ کلمہ 'فی' (میں) جو اس حدیث میں بیان ہوا ظرفیہ نہیں، اس کی مثال اس 'فی' کی سی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں وارد ہوا: ﴿ءَأَمِنتُم مَّن فِي ٱلسَّمَآءِ﴾[3]

''کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان پر ہے۔''

کیونکہ 'فی' یہاں بمعنی 'علیٰ' (پر رکے اوپر) ہے، اور اس کی بہت سی دلیلیں موجود ہیں۔ جن میں سے سابقہ حدیث جو لوگوں کی زبان زدعام ہے اور یہ اپنے مجموعی طرق کے اعتبار سے الحمد

١ سورۃ طٰہٰ:۵

٢ سنن ابو داود:۴۹۴۱؛ جامع ترمذی:۱۹۲۴؛ سلسلۃ احادیث الصحیحۃ:۹۲۵

٣ سورۃ الملک:۱۵،۱۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

للہ صحیح حدیث ہے، نبی اکرم ﷺ کے اس قول: «ارحموا من في الأرض» (جو زمین میں ہیں، ان پر رحم کرو) سے حشرات الارض یا کیچوے مراد نہیں جو زمین کے اندر ہوتے ہیں بلکہ اس سے مراد جو علیٰ الأرض زمین پر انسان وحیوان ہیں، اور یہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے مطابق ہے: «یرحمکم من في السماء» "جو آسمان میں (پر) ہے۔" یعنی: علیٰ السماء (آسمان پر ہے)، چنانچہ دعوتِ حق کو قبول کرنے والوں کے لئے اس قسم کی تفصیل جاننا ضروری ہے تاکہ وہ مکمل طور پر دلیل پر قائم ہوں۔

اس سے واضح تر مثال اس لونڈی کے متعلق مشہور ومعروف حدیث ہے جو بکریاں چرایا کرتی تھی، میں اس حدیث میں سے صرف متعلقہ حصہ بیان کروں گا، جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: أین الله؟ (اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟) تو اس جواب دیا: في السماء[1] "آسمان میں" یعنی وہ آسمان پر ہے۔

اگر آج آپ جامعہ ازہر کے بڑے مشائخ سے پوچھیں مثلاً اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو وہ آپ کو جواب دیں گے: ہر جگہ! جبکہ اس لونڈی تک نے یہ جواب دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے، اور نبی کریم ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی تھی، کیوں؟ کیونکہ اُس نے فطرت کے مطابق جواب دیا۔ وہ ایسے ماحول میں رہتی تھی جسے ہم اپنی آج کل کی تعبیر کے مطابق 'سلفی ماحول' کہہ سکتے ہیں، جس میں عام تعبیر کے مطابق کوئی برا ماحول اثر انداز نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ مدرسۂ رسول ﷺ سے تعلیم یافتہ تھی۔ یہ مدرسہ بعض مردوں اور عورتوں کے لئے خاص نہیں تھا بلکہ یہ تمام لوگوں میں عام تھا جو مردوں اور عورتوں کو شامل تھا اور اپنے تکمیل پر پورے معاشرے کے لئے عام ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بکریاں چرانے والی لونڈی بھی یہ جانتی تھی کیونکہ کسی خراب ماحول کا اس پر اثر نہ ہوا تھا۔ وہ کتاب وسنت میں موجود اس صحیح عقیدے کو جانتی تھی جو آج بہت سے کتاب وسنت کے علم کے دعویداروں کو نہیں معلوم۔

وہ جانتے ہی نہیں کہ ان کا ربّ کہاں ہے! حالانکہ یہ کتاب وسنت میں مذکور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج اس بیان اور وضاحت میں سے کوئی چیز مسلمانوں کے درمیان موجود نہیں، اگر

[1] صحیح مسلم: ۱۱۹۹؛ سنن ابوداود: ۹۳۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آپ آج بکریوں کی نگہبانی کرنے والی سے نہیں بلکہ اُمّت اور جماعتوں کی نگہبانی کرنے والوں سے پوچھیں، تو وہ اس کا جواب دینے کے بارے میں حیران وپریشان ہوں گے جیسا کہ آج بہت سے لوگ اس کا جواب دینے میں حیران وپریشان ہوتے ہیں سوائے جس پر اللہ رحم فرمائے!!

صحیح عقیدے کی جانب دعوت عظیم اور جہدِ مسلسل کی متقاضی ہے!

لہٰذا توحید کی جانب دعوت اور اِسے لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنا، ہم سے اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم آیات پر سے بنا تفصیل کے نہ گزر جائیں جیسا کہ عہد اوّل میں تھا۔ اولاً تو وہ عربی عبارات کو بآسانی سمجھ لیتے تھے اور ثانیاً وہ اس چیز پر قائم تھے جو صحیح عقیدے کے ہرگز مخالف نہ تھی کیونکہ ان کے یہاں عقیدے کا وہ انحراف اور ٹیڑھ پن نہ تھا جو فلسفہ اور علم الکلام کی پیداوار ہے۔ جبکہ ہماری موجودہ صورتحال اس سے بالکل مختلف ہے جو اوّل دور کے مسلمانوں کی تھی۔ اسی لئے ہم اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ آج صحیح عقیدے کی جانب دعوت دینا اتنا آسان ہے جیسا کہ عہدِ اوّل میں تھا، اس پر مزید روشنی میں ایسی مثال کے ذریعے ڈالتا ہوں جس کے بارے میں کوئی دو رائے نہ ہوں گی، ان شاء اللہ...

عہدِ اوّل میں جو آسانی معروف تھی، وہ یہ کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست ایک حدیث سنتا، پھر ایک تابعی وہ حدیث ایک صحابی سے براہِ راست سنتا... اور اسی طرح ہم ان تین زمانوں یا نسلوں تک چلتے ہیں جن کے راہِ راست پر ہونے کی گواہی دی گئی ہے، اور ہم پوچھتے ہیں: کیا ان کے یہاں کوئی چیز فن حدیث کے نام سے تھی؟ جواب: نہیں، کیا اُن کے یہاں کوئی چیز جرح وتعدیل کے نام سے موجود تھی؟ جواب: نہیں، جبکہ آج یہ دونوں علوم ایک طالبِ علم کے لئے لازم ہیں، اور یہ فرضِ کفایہ میں سے ہیں، اور یہ اس لئے کہ آج ایک عالم حدیث کی معرفت حاصل کر سکے کہ آیا وہ صحیح ہے یا ضعیف؟ پس یہ کام اتنا آسان و سہل شمار نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ایک صحابی کے لئے تھا۔ کیونکہ ایک صحابی حدیث کو دوسرے ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل کرلیا کرتا تھا جن کے ایمان کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ جو اُن دنوں آسان تھا، وہ آج آسان نہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں صاف ستھرا علم تھا اور علم حاصل کرنے کے مصادر ثقہ تھے۔ اسی لئے اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا اہتمام کرنا اسی طرح ضروری ہے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جیسا کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے آج ہمیں بہت سی ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن کا سامنا اوّلین مسلمانوں کو نہیں کرنا پڑا تھا، کیونکہ ہمارے یہاں مختلف ناموں کے تحت صحیح عقیدے اور منہج حق سے منحرف اہل بدعت کے اشکالات اور شبہات کے سبب عقیدے کا بہت سا بگاڑ موجود ہے۔

ان مختلف ناموں یا دعوتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ہم صرف کتاب وسنّت کی طرف دعوت دیتے ہیں! جیسا کہ علم الکلام کی جانب منسوب لوگ بھی یہی زعم رکھتے اور دعوی کرتے ہیں۔ اس بارے میں صحیح احادیث قابل ذکر ہیں، جن میں سے یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ان احادیث میں سے بعض میں غربا (معاشرے میں اجنبی لوگوں) کا ذکر فرمایا، تو یہ فرمایا:

«للواحد منهم خمسون من الأجر»، قالوا: «منا يا رسول الله أو منهم؟»... قال: «منكم»[1]

"ان میں کے ایک شخص کا ثواب پچاس کے ثواب کے برابر ہو گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ پچاس اُن میں سے یا ہم میں سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے۔"

یہ نتیجہ ہے آج اسلام میں اُس شدید غربت (اجنبیت) کا جو دورِ اوّل میں نہ تھی۔ بلاشبہ دورِ اوّل میں اجنبیت صریح شرک اور ہر شبہ سے خالی خالص توحید کے درمیان تھی، کھلم کھلا کفر اور ایمانِ صادق کے درمیان تھی، جبکہ آج خود مسلمانوں کے اندر ہی مشکلات پائی جاتی ہیں کہ ان میں سے اکثر کی توحید ہی ملاوٹوں سے اَٹی ہوئی ہے، یہ اپنی عبادات غیر اللہ کے لئے ادا کرتے ہیں پھر بھی دعویٰ ایمان کا ہے۔ اوّلاً تو اس مسئلے پر متوجہ ہونا ضروری ہے۔

توحید اور اس کے لوازم سے پہلے اقامتِ دین کی دعوت... چہ معنی دارد؟

ثانیاً یہ جائز نہیں کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اب توحید کے مرحلے سے آگے نکل کر دوسرے مرحلے میں منتقل ہو جائیں یعنی سیاسی عمل کا مرحلہ!!

1 معجم کبیر از طبرانی: ۱۰/ ۲۵۵، رقم: ۱۰۳۹۲؛ سنن ابوداؤد: ۲۳۲۱؛ موسوعۃ الالبانی فی العقیدۃ: ۲/ ۲۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

کیونکہ اسلام کی دعوت سب سے پہلے دعوتِ حق ہے۔ جائز نہیں کہ ہم یہ کہیں: ہم تو عرب ہیں اور قرآنِ مجید ہماری زبان میں نازل ہوا ہے، حالانکہ یاد رکھیں کہ آج کے عربوں کا معاملہ عربی زبان سے دوری کے سبب ان عجمیوں سے بالکل برعکس ہو گیا ہے جو عربی سیکھتے ہیں۔ پس اس بات نے اُنہیں اُن کے ربّ کی کتاب اور اُن کے نبی ﷺ کی سنت سے دور کر دیا۔ بالفرض ہم عربوں نے صحیح طور پر اسلام کا فہم حاصل اگر کر بھی لیا ہے، تب بھی ہم پر واجب نہیں کہ ہم سیاسی عمل میں حصہ لینا شروع کر دیں، اور لوگوں کو سیاسی تحریکوں سے وابستہ کریں، اور اُنہیں جس چیز میں مشغول ہونا چاہیے یعنی اسلام کے عقیدے، عبادت، معاملات اور سلوک کا فہم حاصل کرنا سے ہٹا کر سیاست میں مشغول رکھیں۔ مجھے یقین نہیں کہ کہیں ایسے لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہوں جنہوں نے اسلام کا صحیح فہم یعنی عقیدے، عبادت اور سلوک میں حاصل کیا ہو اور اسی پر تربیت پائی ہو۔

تبدیلی یا انقلاب کی بنیاد: منہج تصفیہ و تربیہ

اسی وجہ سے ہم ہمیشہ یہ کہتے چلے آئے ہیں اور انہی دو اساسی نکات پر جو تبدیلی و انقلاب کا قاعدہ ہے، ہمیشہ توجہ مرکوز رکھتے ہیں، اور وہ دو نکات تصفیہ (دین کو غلط باتوں سے پاک کرنا) اور تربیہ (اس پاک شدہ دین پر لوگوں کی تربیت کرنا) ہیں۔ ان دونوں اُمور کو یکجا کرنا ضروری ہے: تصفیہ اور تربیہ، کیونکہ اگر کسی ملک میں کسی طرح کا تصفیہ کا عمل ہوا جو کہ عقیدے میں ہے تو یہ اپنی حد تک واقعی ایک بہت بڑا اور عظیم کارنامہ ہے جو اتنے بڑے اسلامی معاشرے کے ایک حصہ میں رونما ہوا، لیکن جہاں تک عبادت کا معاملہ ہے تو اسے بھی مذہبی تنگ نظری سے پاک کر کے سنّتِ صحیحہ کی جانب رجوع کا عمل ہونا چاہئے۔

ہو سکتا ہے ایسے بڑے رجید علمائے کرام موجود ہوں جو اسلام کا ہر زاویے سے صحیح فہم رکھتے ہوں مگر میں یہ یقین نہیں رکھتا کہ ایک فرد یا دو، تین یا دس بیس افراد اس تصفیے کے فرض کو ادا کر پائیں۔ تصفیہ کرنا (پاک کرنا) اسلام کو ہر اس چیز سے جو اُس میں در آئی ہے خواہ وہ عقیدے میں ہو یا عبادت و سلوک میں، محض کچھ افراد کی یہ استطاعت نہیں کہ وہ اسلام سے منسلک ہر غلط چیز کا تصفیہ کر کے اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کی اس پر صحیح و سلیم تربیت کر کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سرفراز ہو سکیں۔ اسی لئے تصفیہ وتربیہ کا عمل آج مفقود ہے!!

اسی لئے ان دو اہم باتوں کو یقینی بنانے سے پہلے کسی بھی اسلامی معاشرے میں جہاں شریعت کا نفاذ نہ ہو، وہاں کسی سیاسی تحریک میں حصہ لینا بُرے اثرات مرتب کرنے کا پیش خیمہ ہو گا۔ ہاں! اولوالامر کی نصیحت وخیر خواہی کرنا سیاسی تحریک کا متبادل ہو سکتا ہے، کسی بھی ایسے ملک میں جہاں شریعت کی تحکیم ہو، (خفیہ) مشاورتوں یا الزامی و تشہیری زبان استعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہوئے شرعی ضوابط کے تحت بطورِ احسن اپنی بات پہنچا دینے کے ذریعہ، پس حق بات کو پہنچا دینا حجت کو تمام کرتا اور پہنچا دینے والے کو بریٔ الذمہ کرتا ہے۔

نصیحت وخیر خواہی میں سے یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کو اس چیز میں مصروف کریں جو اُنہیں فائدہ پہنچائے جیسے عقائد، عبادت، رویوں، اور معاملات کی تصحیح۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہوں کہ ہم تصفیہ وتربیہ کے منہج کی تمام اسلامی معاشروں میں نافذ ہو جانے کی اُمید رکھتے ہیں! ہم تو یہ بات نہ سوچتے ہیں اور نہ ہی ایسی خام خیالی میں مبتلا ہیں، کیونکہ ایسا ہو جانا تو محال ہے، اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴾[1]

”اگر آپ کا ربّ چاہتا تو تمام انسانوں کی ایک ہی اُمّت بنا دیتا مگر یہ لوگ ہمیشہ اختلافات میں ہی رہیں گے۔“

البتہ ان لوگوں پر ہمارے ربّ تعالیٰ کا یہ فرمان: اختلافات کا شکار رہنا، لاگو نہیں ہو گا، اگر یہ اسلام کا صحیح فہم حاصل کریں اور اس صحیح اسلام پر خود اپنی، اپنے اہل وعیال اور گردونواح کے لوگوں کی تربیت کریں۔

سیاسی عمل میں کون حصہ لے؟... اور کب؟

آجکل سیاسی عمل یا سرگرمی میں حصّہ لینا ایک مشغلہ بن گیا ہے! حالانکہ ہم اس کے منکر نہیں مگر ہم بیک وقت ایک شرعی و منطقی تسلسل پہ ایمان رکھتے ہیں کہ ہم اصلاح وتربیت کے

[1] سورۃ ھود: ۱۱۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اعتبار سے عقیدے سے شروع کریں، پھر عبادت پھر سلوک و عمل، پھر اس کے بعد ایک دن آئے گا جب ہم سیاسی مرحلے میں داخل ہوں گے مگر اس کے شرعی مفہوم کے مطابق۔ کیونکہ سیاست کا معنی ہے: اُمّت کے معاملات کا انتظام کرنا، اُنہیں چلانا۔ پس اُمت کے معاملات کون چلاتا ہے؟ نہ زید، نہ بکر، نہ عمرو، اور نہ ہی وہ جو کسی پارٹی کی بنیاد رکھے یا کسی تحریک کی سربراہی کرتا ہو یا کسی جماعت کو چلاتا ہو!! یہ معاملہ تو خاص ولی امر (حکمران) سے تعلق رکھتا ہے، جس کی مسلمانوں نے بیعت کی ہے۔ یہی ہے وہ جس پر واجب ہے کہ وہ موجودہ سیاسی حالات اور ان سے نمٹنے کی معرفت حاصل کرے۔ لیکن اگر مسلمان متحدہ نہ ہوں جیسا کہ ہماری موجودہ حالت ہے تو ہر حاکم اپنی سلطنت کی حدود میں ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے آپ کو ان اُمور میں مشغول رکھیں جن کے بارے میں بالفرض ہم مان بھی لیں کہ ہمیں اس کی کماحقہ معرفت حاصل ہوگئی ہے تب بھی ہمیں سیاسی اُمور کی یہ معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، کیونکہ ہمارے لئے اسے نافذ کرنے کا اِمکان ہی نہیں، کیونکہ ہم اُمت کے اُمور چلانے کے بارے میں فیصلوں کا اختیار ہی نہیں رکھتے۔ تو محض یہ معرفت بیکار ہے جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں!!

میں آپ کو ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ وہ جنگیں جو مسلمانوں کے خلاف بہت سے اسلامی ممالک میں بپا ہیں، کیا اس بات کا کوئی فائدہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے جذبات اُبھاریں اور اُنہیں اس جانب برانگیختہ کریں جبکہ ہم اس جہاد کا کوئی اختیار ہی نہیں رکھتے جس کا انتظام ایک ایسے ذمہ دار امام جہاد کے ذمہ ہے جس کی بیعت ہو چکی ہو؟! اس کے بغیر اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ واجب نہیں! لیکن ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ کام اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہے۔ اسی لئے ہم پر واجب ہے کہ ہم آپ کو اور دوسروں کو جنہیں ہم اپنی دعوت پہنچا رہے ہیں، اس بات میں مشغول رکھیں کہ وہ صحیح اسلام کا فہم حاصل کر کے اس پر صحیح تربیت حاصل کریں۔ لیکن اگر ہم محض اُنہیں جذباتی اور ولولہ انگیز باتوں میں مشغول رکھیں گے تو یہ اُنہیں اس بات سے دور کر دیں گی کہ وہ اُس دعوت کے فہم میں مضبوطی حاصل کر پائیں جو ہر مکلّف مسلمان پر واجب ہے جیسے عقائد، عبادت اور عملی رویوں کی تصحیح۔

مزید برآں یہ اُن فرائض عینیہ میں سے ہے جس میں تقصیر کا عذر قابل قبول نہیں، جبکہ جو دوسرے اُمور ہیں ان میں سے تو بعض فرضِ کفایہ ہیں جیسا کہ آج کل جو کہا جاتا ہے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

'فقہ الواقع' (حالاتِ حاضرہ کا علم) اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا جو کہ اُن لوگوں کی ذمہ داری ہے جو اہل حل و عقد ہیں، جن کے لئے یہ ممکن بھی ہے کہ اس معرفت سے وہ عملی استفادہ حاصل کر پائیں۔ جہاں تک معاملہ ہے ان لوگوں کا جن کے ہاتھ میں نہ حل ہے، نہ ہی عقد اور وہ لوگوں کو اُن باتوں میں مشغول کر رہے ہیں جو اہم تو ہیں مگر اہم ترین نہیں، تو یہ بات اُنہیں صحیح معرفت سے دور لے جاتی ہے۔

یہ بات تو ہم آج بہت سے اسلامی گروپوں اور جماعتوں کے مناہج میں باقاعدہ ہاتھوں سے چھو کر محسوس کر سکتے ہیں، کہ ہم جانتے ہیں کہ بعض داعیان مخلص نوجوانوں کو... جو اُن کے گرد اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ وہ اُنہیں صحیح عقیدہ، عبادت اور سلوک کی تعلیم دیں اور سمجھائیں ... اس سے پھیر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ داعیانِ سیاست سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اور ان پارلیمنٹوں میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلے کرتی ہے۔ اس طرح وہ اُنہیں اس اہم ترین چیز سے پھیر دیتے ہیں اس چیز کی طرف جو اِن موجودہ حالات میں اہم نہیں ہے۔

فی زمانہ ہر مسلمان کی ذمہ داری

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جو سوال میں پوچھی گئی تھی کہ کیسے ایک مسلمان ان پُر الم حالات میں اپنا کردار ادا کر کے بری الذمہ ہو سکتا ہے، تو ہم کہتے ہیں: ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق کام کرے، ان میں سے ایک عالم کی جو ذمہ داری ہے، وہ غیر عالم کی نہیں، جیسا کہ میں اس قسم کی صورتحال میں بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اپنی کتاب کے ذریعہ مکمل فرما دی ہے اور اسے مسلمانوں کے لئے ایک دستور بنا دیا ہے۔ اسی دستور میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾[1]

"اہل ذکر (علماے کرام) سے سوال کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کو دو اقسام میں تقسیم فرمایا: ایک عالم اور دوسرے غیر عالم،

1 سورۃ الانبیاء: ۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور اُن میں سے ہر ایک پر وہ واجب قرار دیا جو دوسرے پر واجب نہیں، پس جو علما نہیں، ان کو چاہئے کہ وہ اہل علم سے دریافت کریں، اور علماے کرام پر یہ واجب ہے کہ وہ جس چیز کی بابت دریافت کیا جارہا ہے، اُس کا جواب دیں۔ اسی بنا پر مخاطب اور حالات بدل جانے سے واجبات بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کے اس دور میں ایک عالم پر واجب ہے کہ وہ بقدرِ استطاعت حق بات کی جانب دعوت دے، اور جو عالم نہیں ہے اسے چاہیے کہ جو بات اس سے یا اس کے زیر کفالت لوگوں جیسے بیوی بچے وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے اس کا سوال علماے کرام سے کرے۔ اگر مسلمانوں کے یہ دونوں فریق اپنی استطاعت بھر ذمہ داری نبھاتے رہیں تو یقیناً نجات پاجائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[1]

"اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔"

صد افسوس ہم مسلمان ایک ایسے پُر الم دور سے گزر رہے ہیں جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، یہ کہ کفار چاروں طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحیح و معروف حدیث میں اس کی خبر دی:

«يُوشِكُ الأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا». فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ: «بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهَنَ». فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الْوَهَنُ؟ قَالَ: «حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ»[2]

"ایسا وقت آنے والا ہے تم پر چاروں طرف سے قومیں ٹوٹ پڑیں گی جیسا کہ کھانے والے ایک دوسرے کو پلیٹ کی طرف دعوت دیتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس زمانے میں ہماری قلّتِ تعداد کی بنا پر ایسا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، تم اس زمانے میں بہت کثیر تعداد میں ہو گے، لیکن تمہاری حیثیت

---

۱ سورۃ البقرۃ: ۲۸۶

۲ سنن ابوداؤد: ۴۲۹۷؛ مسند احمد: ۸۹۴۷؛ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۹۵۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سیلابی ریلے میں بہہ جانے والے خس خاشاک کی سی ہوگی، اللہ تعالیٰ تمہارا رعب وہیبت کافروں کے دلوں سے نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں 'وَہن' ڈال دے گا۔ اُنہوں نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ 'وَہن' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت۔''

پس علماے کرام پر جو واجب ہے کہ وہ 'تصفیہ و تربیہ' کا جہاد کریں، وہ اس طرح کہ مسلمانوں کو صحیح توحید، صحیح عقائد، عبادات اور سلوک کی تعلیم دیں، ہر کوئی اپنی طاقت بھر اپنے اس ملک میں جس میں وہ رہتا ہے۔ کیونکہ اپنی اس موجودہ حالت میں کہ وہ منتشر ہیں، نہ ہمیں کوئی ایک ملک جمع کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ایک صف، اس حالت میں ہم یہودیوں کے خلاف جہاد کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ان دشمنوں کے خلاف جو چاروں طرف سے ہم پر یلغار کررہے ہیں اس قسم کے جہاد کی استطاعت نہیں رکھتے، لیکن ہم پر واجب ہے کہ ہر اس قسم کا شرعی وسیلہ اختیار کریں جو ہمارے بس میں ہو، کیونکہ ہمارے پاس مادی قوت تو نہیں ہے، اور اگر ہو بھی تو ہم عملی اعتبار سے متحرک نہیں ہوسکتے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک میں ایسی حکومتیں، قیادتیں اور حکام ہیں جن کی سیاست شرعی تقاضوں پر مبنی نہیں، لیکن باذن اللہ ہم ان دو عظیم اُمور پر کام کرنے کی استطاعت ضرور رکھتے ہیں جو میں نے ابھی بیان کئے۔ پس جب مسلمان داعیان اس اہم ترین فرض کو لے کر کھڑے ہوں گے، ایسے ملک میں جہاں کی سیاست شرعی سیاست کے موافق اور اس پر مبنی نہیں، اور اس اساس پر وہ سب جمع ہوجائیں گے، تو میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس دن ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آئے گا: ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بِنَصْرِ اللَّهِ﴾[1] ''اس دن مؤمنین خوشیاں منائیں گے اللہ تعالیٰ کی نصرت پر۔''

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حکم الٰہی اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حسبِ استطاعت نافذ کرے۔ چنانچہ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ وہ بقدرِ استطاعت کام کرے، اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا۔ صحیح توحید اور صحیح عبادت کے قیام سے لازم نہیں آتا کہ

1 سورۃ الروم:۴،۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کسی ایسے ملک میں جہاں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے، وہاں اسلامی ریاست بھی قائم ہو جائے، لیکن اللہ کے اپنے ماننے والوں سے تقاضوں میں بھی ترجیحات ہیں، کیونکہ وہ پہلی بات جس میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکم ہونا چاہئے وہ اقامتِ توحید ہے اور اس کے علاوہ بھی بے شک کچھ ایسے خاص اُمور ہیں جو بعض زمانوں کی پیداوار ہیں جن سے الگ تھلگ رہنا اختلاط سے بہتر ہے، یعنی ایک مسلمان معاشرے سے الگ ہو کر اپنے ربّ کی عبادت میں لگا رہے، اور خود کو لوگوں کے شر سے بچائے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے، اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ جو اصل اصول ہے وہ تو یہی ہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بیان ہوا:

«الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لاَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَلاَ يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ»[1]

"وہ مومن جو لوگوں سے میل ملاپ کرتا ہے اور ان کی جانب سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، اس مومن سے بہتر ہے جو نہ لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور نہ ہی ان کی جانب سے ملنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے۔"

پس ایک اسلامی ریاست بلاشبہ ایک وسیلہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم زمین پر قائم کرنے کا مگر یہ بذاتِ خود کوئی غرض وغایت نہیں۔ بہت عجیب بات ہے کہ بعض داعیانِ اسلام اس بات کا اہتمام تو کرتے ہیں جو حقیقتاً ان کے بس میں نہیں، اور اس بات کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان پر واجب ہے اور آسان بھی! اور وہ اپنے نفس کا مجاہدہ کرنا ہے جیسا کہ ایک مسلمان داعی کا قول ہے جس قول کی وصیت میں اس داعی اسلام کے پیروکاروں کو اکثر کرتا ہوں:

"أقيموا دولة الإسلام في نفوسكم تقم لكم في أرضكم"

"اپنے دلوں پر اسلامی حکومت قائم کر لو وہ تمہارے لئے تمہاری زمینوں پر بھی قائم کر دی جائے گی۔"

اس کے باوجود ہم بہت سے اُن کے پیروکاروں کو پاتے ہیں کہ وہ اس بات کی مخالفت کرتے

[1] جامع ترمذی: ۲۵۰۷؛ سنن ابن ماجہ: ۴۱۶۸؛ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۹۳۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہیں، اپنی دعوت کا ایک غالب حصّہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاکمیت میں اکیلے ماننے پر زور دینے میں صرف کرتے ہیں، جسے وہ اس مشہور و معروف عبارت سے تعبیر کرتے ہیں: "الحاکمیة لله" (حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے)۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حاکمیتِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے کہ اس میں، اور نہ کسی اور چیز میں اس کا کوئی شریک ہے۔ لیکن، اُن میں سے کوئی مذاہبِ اربعہ میں سے کسی مذہب کا مقلد ہوتا ہے اور جب اس کے پاس کوئی بالکل صریح و صحیح سنت آتی ہے تو کہتا ہے کہ یہ میرے مذہب کے خلاف ہے! تو کہاں گیا اللہ تعالیٰ کا حکم اتباع سنت کے بارے میں؟!

اوران میں سے آپ کسی کو پائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صوفیوں کی طریقت پر کر رہا ہو گا! تو کہاں گیا اللہ تعالیٰ کا حکم توحید کے بارے میں؟! تو وہ دوسروں سے وہ مطالبہ کرتے ہیں جو اپنے آپ سے نہیں کرتے۔ یہ تو بہت آسان کام ہے کہ اپنے عقیدے، عبادت، سلوک اور اپنے گھر، بچوں کی تربیت، خرید و فروخت میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرو جبکہ اس کے برعکس یہ بہت مشکل اور کٹھن ہے کہ تم کسی حاکم کو جبراً کہو یا ایسے حاکم کو معزول کرو کہ جو اپنے بہت سے اَحکامات میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلے کرتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ آسان کو چھوڑ کر مشکل راہ کو اپنایا جا رہا ہے؟!

غرض ایسا رویہ دو میں سے ایک بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یا تو یہ رویہ نتیجہ ہے اس بری تربیت اور بری توجیہ کا ہے، یا پھر یہ خود داعیان اسلام کا اپنا وہ برا عقیدہ ہے جس نے اُنہیں اس بات سے روک اور پھیر کر جس کا اپنانا ان کی استطاعت میں ہے، اس بات کی طرف مائل کر دیا ہے جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتے۔ آج کے اس دور میں مَیں تمام تر دعوتِ دین کا محور تصفیہ وتربیہ کے عمل کو بنا دینے اور صحیح عقیدے وعبادت کی جانب دعوت دینے کے سوا اور کوئی نظریہ نہیں رکھتا۔ ہر کوئی یہ کام اپنی استطاعت بھر انجام دے، اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا، اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر!!

(بہ شکریہ 'اصلی اہل سنت. کام')

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

قسط نمبر ۲ / آخری

عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنا، شریعت میں تبدیلی ہے

خلع کے بارے میں ایک ضروری وضاحت

گذشتہ شمارہ محدث (نمبر ۳۶۱) میں میرا سابقہ مضمون پڑھ کر کسی کے ذہن میں یہ اشکال آسکتا ہے کہ علماے احناف تو خلع کا ذکر بھی کرتے ہیں اور اس کا اثبات بھی، پھر ان کی بابت یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ خلع کا انکار کرتے ہیں؟

یہ بات ایک حد تک صحیح ہے کہ وہ ظاہری طور پر خلع کا اقرار کرتے ہیں لیکن وہ اس کو اس طرح ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جس طرح شریعت نے یہ حق عورت کو دیا ہے۔ اس لئے اُن کا ماننا اقرار کے پردے میں انکار کے مترادف ہے۔ اس کی تشریح حسبِ ذیل ہے:

خلع عورت کا وہ حق ہے جو اسے مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں دیا گیا ہے۔ مرد تو اپنا حق طلاق ایسے موقعوں پر استعمال کرلیتا ہے جب وہ اپنی بیوی سے ناخوش ہو۔ لیکن اگر عورت کو ایسی ضرورت پیش آجائے کہ وہ خاوند سے گلو خلاصی کرانا چاہے، مثلاً شوہر نامرد ہو، وہ حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا وہ نان نفقہ دینے پر قادر نہ ہو یا قادر تو ہو لیکن دیتا نہ ہو، یا کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جس کا علم عورت کو شادی کے بعد ہو، یا وہ سخت ظالم و جابر قسم کا ہو جو عورت پر بے جا ظلم و تشدد کرتا ہو، یا شکل و صورت کے اعتبار سے عورت کے لئے ناقابل برداشت اور اس کا اس کے ساتھ نباہ مشکل ہو؛ اس قسم کی تمام صورتوں میں شریعت نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ شوہر کا دیا ہوا حق مہر اُس کو واپس کرکے اس سے طلاق کا مطالبہ کرے۔ اگر شوہر عورت کی خواہش اور مطالبے پر اُس کو طلاق دے دے تو ٹھیک ہے، مسئلہ نہایت آسانی سے گھر کے اندر ہی حل ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر مرد مذکورہ معقول وجوہات کے باوجود عورت کی خواہش اور مطالبے کو تسلیم نہ کرے، تو پھر عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے اس مسئلے کو حل کیا جائے گا، اگر عدالت اس نتیجے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پر پہنچے کہ عورت کا مطالبہ علیحدگی بالکل جائز ہے تو وہ مرد کو طلاق دینے کا حکم دے گا، اگر وہ پھر بھی طلاق نہ دے تو عدالت یا پنچایت فسخ نکاح کا حکم جاری کرے گی جو مرد کے طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا اور عورت عدتِ خلع (ایک حیض) گزارنے کے بعد کسی دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہوگی۔ یہ ہے خلع کا وہ طریقہ جو قرآن کریم کی آیت: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾[1] اور حدیث میں مذکور واقعہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ﴾ (پس اگر تم ڈرو...) میں خطاب خاندان کے اولیا (ذمے داران) معاشرے کے معزز افراد یا حکومت کے افسرانِ مجاز (عدالتی حُکام) سے ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والا نزاع، اُن کی آپس کی بات چیت سے ختم نہ ہو سکے تو تم مداخلت کر کے اس کو حل کرو اور عورت سے فدیہ (حق مہر) لے کر مرد کو دو اور اس سے طلاق دلواؤ، اگر وہ طلاق نہ دے تو تم فسخ نکاح کا آرڈر جاری کر کے اُن کے درمیان علیحدگی کروادو۔

حدیث سے بھی اسی بات کا اثبات ہوتا ہے، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ خوش شکل نہ تھے جب کہ اُن کی بیوی خوبرو تھی، اُنہوں نے بارگاہِ رسالت میں آکر نہایت مناسب الفاظ میں اس بات کو بیان کیا اور کہا کہ میں ثابت بن قیس کے دین و اخلاق کے بارے میں تو اُن کو معتوب نہیں کرتی لیکن ان کے ساتھ رہنے میں مجھے ناشکری کا اندیشہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات سن کر صورتِ حال کا اندازہ کر لیا اور اس سے پوچھا: کیا تو ثابت بن قیس کو وہ باغ واپس کرنے پر آمادہ ہے جو اس نے تجھے (حق مہر میں) دیا تھا؟ اس نے کہا! ہاں۔ آپ نے ثابت بن قیس کو حکم دیا: اس سے اپنا باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو، چنانچہ اُنہوں نے طلاق دے دی۔ (یہ واقعہ احادیث کی ساری کتابوں میں موجود ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو طلاق کا حکم دینا ایک حاکم کے طور پر تھا اور ظاہر بات ہے کہ خاندانی معاملات و نزاعات میں عدالت یا پنچائیت کی مداخلت ناگزیر ہے، اگر عدالت کو یہ حق نہیں دیا جائے گا یا اُس کا یہ حق تسلیم نہیں کیا جائے گا تو پھر ان نزاعات کا حل آخر کس طرح نکالا جائے گا؟

---

1 سورۃ البقرۃ:۲۲۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ علماے احناف عورت کے حق خلع کو تسلیم نہیں کرتے تو اس کے بارے میں ان کا یہ غیر منطقی موقف ہی اس کی بنیاد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خاوند اگر عورت کے مطالبہ ُطلاق کو تسلیم نہیں کرتا تو عدالت کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یکطرفہ طور پر طلاق کی ڈگری جاری کردے، جیسا کہ سپریم کورٹ کے ایک فیصلے کے بعد ہماری عدالتیں اس طرح کے فیصلے کررہی ہیں۔ علماے احناف کہتے ہیں کہ عدالتوں کے یہ فیصلے غلط ہیں اور اس طرح عورت کو طلاق نہیں ہوتی۔

حالانکہ عدالت کا یہ حق قرآنِ کریم کی آیت اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے واقعے سے واضح ہے جس کی مختصر تفصیل ابھی گزری اور اس کے بغیر گھریلو نزاعات کا کوئی دوسرا حل ہے ہی نہیں۔ اگر آپ اس منطقی اور فطری طریق کو نہیں مانتے تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ آپ شریعت کے عطا کردہ عورت کے حقِ خلع کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

آپ ذرا تصور کیجئے، ایک عورت خاوند کے رویے سے سخت نالاں ہے اور وہ اس سے ہر صورت خلاصی چاہتی ہے، وہ طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، خاوند نے اُس کو جو کچھ (حق مہر وغیرہ) دیا ہے، وہ اُس کو واپس کرنے کی پیش کش کرتی ہے۔ لیکن وہ کسی صورت طلاق دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ اب بتلائیے کہ اگر طلاق خاوند کی رضامندی کے بغیر نہیں ہوسکتی جیسا کہ علماے احناف کہتے ہیں، تو عورت کو اس کا حق خلع کون دلائے گا؟ آپ کہتے ہیں، عدالت مداخلت نہیں کرسکتی، اور خاوند کی رضامندی کے بغیر علیحدگی ممکن ہی نہیں ہے، تو اس صورت کا حل کیا ہے؟ اور کیا یہ حق خلع کو تسلیم کرنا ہے...؟

یہ تو اللہ کے عطا کردہ حق خلع کا صاف انکار ہے۔ خاوند کی ہٹ دھرمی ہی کا تو علاج عورت کے حق خلع کی صورت میں بتلایا گیا ہے جو صرف عدالت ہی عورت کو دلوا سکتی ہے۔ عدالت کو اگر یہ حق نہیں ہے اور خاوند کسی صورت طلاق دینے کے لئے تیار نہیں ہے تو عورت کو اُس کا یہ حق کس طرح ملے گا جو اللہ نے اسے عطا کیا ہے؟

حقِ خلع کے بارے میں علماے احناف کی تصریحات

اگر کوئی کہے کہ علماے احناف کا یہ موقف نہیں ہوسکتا جو اُن کی طرف منسوب کیا جارہا ہے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تو لیجئے انہی کے الفاظ میں ان کا موقف پڑھ لیجئے۔

① مولانا تقی عثمانی پہلے عنوان قائم کرتے ہیں: "کیا خلع عورت کا حق ہے؟"

مولانا موصوف نے اس بحث کا یہ عنوان مقرر کیا ہے۔ اس سوالیہ عنوان ہی سے اس امر کی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ اُن کے نزدیک عورت کو حق خلع حاصل ہی نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

"ہمارے زمانے میں خلع کے بارے میں ایک مسئلہ عصر حاضر کے متجددین نے پیدا کر دیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام علماے اُمت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ خلع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں تراضیٔ طرفین ضروری ہے اور کوئی فریق دوسرے کو مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن ان متجددین نے یہ دعویٰ کیا کہ خلع عورت کا ایک حق ہے جسے وہ شوہر کی مرضی کے بغیر بھی عدالت سے وصول کر سکتی ہے، یہاں تک کہ پاکستان میں کچھ عرصہ پہلے عدالتِ عالیہ یعنی سپریم کورٹ نے اس کے مطابق فیصلہ دے دیا اور اب تمام عدالتوں میں اسی فیصلے پر بطورِ قانون عمل ہو رہا ہے حالانکہ یہ فیصلہ قرآن وسنت کے دلائل اور جمہور کے متفقہ فیصلے کے خلاف ہے۔"[1]

تبصرہ: اپنی رائے کو، جو تقلیدی جمود پر مبنی ہے، قرآن و سنت کے دلائل اور جمہور کے متفقہ فیصلے کے مطابق قرار دینا یکسر غلط اور خلافِ واقعہ ہے حالانکہ قرآن وسنت کے مطابق خلع کی اصل صورت وہ ہے جس کی مختصر تفصیل ہم نے پیش کی ہے۔ خلع کی اس صورت کو متجددین کی رائے بتلانا اور قرآن و سنّت کی نصوصِ صریحہ کی بے جا تاویل کر کے ان سے اپنے تقلیدی موقف کا اثبات ایک تحکمانہ انداز اور قرآن و حدیث میں بیان کردہ حق خلع کا صریح انکار ہے۔ اَعاذنا الله منه

مضمون طویل ہو گیا ہے، ورنہ ہم ان کی ان تاویلاتِ باطلہ کی حقیقت بھی واضح کرتے جو اُنہوں نے 'درس ترمذی' میں بیان کر کے تقلیدی جمود کا ثبوت دیا ہے۔ ضرورت پڑی تو ان شاء اللہ ان پر بھی گفتگو ہو گی۔ بعون الله وتوفيقه

۱ درسِ ترمذی: ۳/ ۴۹۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ایک اور حنفی مفسر کا حق خلع کا انکار

② تفسیر 'روح البیان' کے حنفی مفسر 'آیتِ خلع' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"خلع میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے، اس میں عدالت یا تیسرا کوئی شخص مشورہ تو دے سکتا ہے، جبر نہیں کر سکتا، نہ عدالت کے پاس از خود یہ اختیار ہے کہ وہ شوہر کی رضا مندی کے بغیر عورت کے حق میں یکطرفہ (ون سائیڈ) خلع کا فیصلہ کر دے۔ اگر عدالت ایسا کوئی فیصلہ کرتی ہے تو وہ قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک ناقابل عمل ہو گا اور اللہ کے نزدیک ناقابل قبول رہے گا۔

جس طرح نکاح کی قبولیت کا صرف شوہر کو یا اس کے بارے میں مقرر کردہ وکیل ہی کو حق حاصل ہے اسی طرح خلع کی پیش کش کو قبول کر کے طلاق دینے کا حق بھی شوہر ہی کو حاصل ہے۔ لہٰذا جس طرح بیوی رقم کے بدلے طلاق حاصل کرنے پر راضی ہے اسی طرح شوہر کا بھی رقم قبول کر کے طلاق دینے پر راضی ہونا ضروری ہے۔ جمہور فقہا کا اتفاق ہے کہ خلع باہمی رضامندی کے ساتھ جائز ہے۔"

تبصرہ: ان صاحب نے بھی حنفی طریق خلع کو قرآن وحدیث کا بیان کردہ خلع قرار دینے کی جسارت کی ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حنفی طریق خلع دراصل حق خلع کا انکار ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر خاوند عورت کے مطالبۂ طلاق کو تسلیم نہ کرے تو عورت خلع حاصل کر ہی نہیں سکتی۔ خاوند کی ہٹ دھرمی کا حل قرآن وحدیث میں عدالت کو قرار دیا گیا ہے لیکن حنفی فقہ کہتی ہے کہ عدالت کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں۔ عدالت اگر مداخلت کر کے عورت کو یہ حق دلائے گی تو عورت کو طلاق نہیں ہو گی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت خاوند کی ہٹ دھرمی کی صورت میں عدالت سے خلع حاصل کرنے کے بعد عدت گزار کر کسی اور جگہ نکاح کرے گی تو احناف کے نزدیک یہ نکاح عند اللہ ناقابل قبول ہو گا، جب ایسا ہے تو پھر وہ نئے میاں بیوی تو ساری عمر زنا کاری ہی کے مرتکب رہیں گے۔ ان کی یہ دیدہ دلیری اور قرآن وحدیث کی صریح نصوص سے انحراف انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر روح البیان کے مؤلف لکھتے ہیں:

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"مسئلہ: عدالت کی طرف سے شوہر کی رضامندی کے بغیر جو یک طرفہ خلع کی ڈگری جاری کر دی جاتی ہے وہ شرعاً معتبر نہیں۔ اس صورت میں اس عورت کا کسی اور مرد سے نکاح کرنا حرام اور بدکاری ہوگا۔"[1]

بتلائیے...! یہ حق خلع کا اثبات ہے جو اللہ رسول نے عورت کو دیا ہے یا اس کا صاف انکار ہے۔ خاوند کی رضامندی کے بغیر اگر عورت اپنا یہ حق وصول نہیں کر سکتی، تو پھر خاوند کی ہٹ دھرمی کی صورت میں آخر وہ اپنا یہ حق کیسے وصول کرے گی؟ علمائے احناف آخر اس کی بھی تو وضاحت فرمائیں۔

پھر اس حنفی طریق خلع پر اجماع کا دعویٰ اور چند سطروں کے بعد ہی اسے جمہور فقہا کا فیصلہ قرار دینا؟ عجیب تضادِ فکر ہے۔ اوّل تو اس کو جمہور فقہا کا متفقہ فیصلہ بتلانا ہی غلط ہے۔ اگر جمہور کی رائے تسلیم کر بھی لی جائے، تو اجماع تو پھر بھی نہ ہوا کیونکہ اکثریت کی رائے کو اجماع تو نہیں کہا جاتا۔

دراصل اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لئے یوں ہی اس کو 'جمہور کی رائے' کہہ دیا جاتا ہے یا اس پر 'اجماع' کا دعویٰ کر دیا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی لئے امام احمد فرمایا کرتے تھے: "من ادعی الإجماع فهو كاذب"[2]

"جو کسی مسئلے کی بابت اجماع کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے۔"

زیر بحث مسئلہ بھی اس کی ایک واضح مثال ہے۔ حنفی طریق خلع نہ جمہور کا متفقہ فیصلہ ہے اور نہ اس پر اجماع ہے۔ بھلا جو مسئلہ (حنفی طریق خلع) قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے، اسے جمہور کس طرح اختیار کر سکتے ہیں؟... یا اس پر اجماع کس طرح ہو سکتا ہے؟

صاحب 'روح البیان' مزید فرماتے ہیں:

"اسلام کی یہ کیسی معتدل تعلیم ہے کہ حتیٰ الوسع نہ کسی کی حق تلفی ہو نہ دل شکنی ہو۔ جیسے باہمی رضامندی سے عقدِ نکاح کیا گیا تھا، ایسے ہی باہمی رضامندی سے اسے ختم

١ تفسیر روح البیان: ١/ ٥٩٠

٢ الاعتصام للشاطبی ١/ ٢٧٤

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کر دیا جائے۔ یعنی اگر میاں بیوی کو خطرہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق پورے نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں خلع کی اجازت ہے۔"[1]

سبحان اللہ! کیا خوب فلسفہ تراشا ہے۔ اسلام کی تعلیم میں تو بلاشبہ نہایت اعتدال اور توازن ہے کہ اس نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے جس کے ذریعے سے وہ ناپسندیدہ بیوی سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور اگر ایسے ہی حالات عورت کو پیش آجائیں اور وہ ناپسندیدہ شوہر سے نجات حاصل کرنا چاہے تو وہ حق خلع کے ذریعہ سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ یہ تو یقیناً اعتدال اور توازن کی بات ہے جس میں اسلام دیگر ادیان و مذاہب میں ممتاز ہے۔

لیکن جب آپ مرد کو تو مطلقاً یہ حق دے رہے ہیں کہ وہ جب چاہے عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ کیا طلاق دیتے وقت مرد عورت کی رضامندی حاصل کرنے کا پابند ہے؟ اور اگر عورت رضامند نہ ہو تو مرد طلاق نہیں دے سکتا۔ کیا واقعی آپ کے نزدیک ایسا ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر یہ کہنا: "جیسے باہمی رضامندی سے عقدِ نکاح کیا گیا تھا ایسے ہی باہمی رضامندی سے اسے ختم کر دیا جائے۔" کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

اور اگر اس عبارت کا تعلق صرف عورت کے حق خلع سے ہے کہ اس میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے تو پھر اعتدال تو نہ رہا۔ عورت کے حقِ طلاق کو تو مقید کر دیا خاوند کی رضامندی کے ساتھ، وہ رضامند نہ ہو تو عورت کے لئے گلو خلاصی کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس کو کون اعتدال کی تعلیم تسلیم کرے گا جس کو آپ اعتدال باور کرا رہے ہیں۔

اعتدال تو اسلام کے بتلائے ہوئے طریقِ خلع ہی میں ہے کہ دونوں ہی (مرد اور عورت) کے لئے یہ راستہ کھلا ہوا ہے کہ مرد علیحدگی چاہتا ہے تو اس کے پاس طلاق کا حق ہے، عورت علیحدگی چاہتی ہے تو اس کے پاس خلع کا حق ہے، خاوند اگر اس کا یہ حق تسلیم نہ کرے تو عدالت عورت کو اس کا یہ حق دلوائے گی۔

لیکن اگر آپ مرد کے حقِ طلاق کے لئے تو رضامندی ضروری قرار نہیں دیتے لیکن عورت کے خلع کے لئے اس کو ضروری قرار دیتے ہیں تو آپ نے اپنے فقہی جمود کا ثبوت تو یقیناً

1 تفسیر 'روح البیان': ۱/۵۸۸، ناشر: جامعۃ البنوریہ العالمیہ، کراچی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دے دیا، لیکن خدارا اِس کو اسلام کی تعلیم تو قرار نہ دیں۔ اسلام تو اس عدم اعتدال اور ایک فریق پر ظلم کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس ظلم کو اپنی فقہ کی طرف منسوب کریں، اسلام کی طرف تو منسوب نہ کریں۔

مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کی پر اسرار خاموشی

③ یہ بات بھی نہایت دلچسپ ہے کہ مولانا تقی عثمانی کے والدِ گرامی قدر جناب مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے قرآن مجید کی اُردو میں نہایت مفصل تفسیر تحریر فرمائی ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع شدہ ہے، تفسیر 'معارف القرآن' اس کا نام ہے۔

اس میں ہر اہم مسئلے پر مفتی صاحب موصوف نے خاصی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ آیتِ خلع میں خلع کے بارے میں سرے سے اُنہوں نے نہ صرف یہ کہ کوئی بحث نہیں کی بلکہ نہایت پر اسرار طریقے سے بالکل خاموشی سے گزر گئے ہیں۔ یہ خاموشی کس بات کی غماز ہے۔ ؏ کچھ تو ہے غالب جس کی پردہ داری ہے!

اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن کچھ نہ کچھ اندازہ قرائن و شواہد سے بھی ہو جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی وجہ شاید یہی ہو سکتی ہے کہ خلع کی اصل حقیقت جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے، وہ حنفی موقف سے متصادم ہے جس کی وضاحت ہم کر آئے ہیں۔ اس کی صراحت ان کے حلقۂ ارادت کے لئے ناقابل قبول ہوتی اور حنفی موقف کے بیان سے ان کے تقلیدی جمود کا اظہار ہوتا، اس لئے اُنہوں نے خاموشی ہی کو بہتر خیال فرمایا۔ غفر اللہ لنا ولہٗ

اور جب تقلید کے بندھن ڈھیلے ہو جائیں...

تقلیدی جمود کی نیرنگیاں آپ نے ملاحظہ فرمائیں، اب تصویر کا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمائیں اور وہ یہ کہ جب تقلیدی جمود کی عینک اُتر جاتی ہے تو پھر قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات اصل صورت میں سامنے آجاتی ہیں۔ جب یہ بندھن ڈھیلے ہوتے ہیں اور تقلیدی عینک اُتر جاتی ہے تو پھر اعترافِ حقیقت کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔

خلع اور تفویض طلاق کا مضمون مکمل کر لینے کے بعد حسن اتفاق سے اس کی دو مثالیں سامنے آئیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ قارئین کرام کو بھی اُن سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ ہماری

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مذکورہ گزارشات بھی حق الیقین سے بڑھ کر عین الیقین کا درجہ حاصل کر لیں۔

اُن میں ایک مثال ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج، استاذ الفقہ والتفسیر جامعہ کراچی کی ہے جو غالباً حنفی بریلوی ہیں اور دوسری مثال مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، فاضل دیو بند، صدر مدرّس دارالعلوم سبیل السلام (حیدر آباد دکن) کی ہے جو حنفی دیوبندی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو مسئلہ زیر بحث میں تقلیدی جمود سے نکل کر براہِ راست قرآن وحدیث کی تعلیمات پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ عورت کو طلاق کا حق تفویض کر دینا حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے اور عورت کے حق خلع کا انکار قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات سے انحراف ہے۔

لیجئے! دونوں اَفاضل کے مضامین کی تلخیص ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے ڈاکٹر شکیل اوج صاحب کے مضمون کا ضروری حصہ، جو 'معارف' اعظم گڑھ میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان بھی صاحب مضمون ہی کا تجویز کردہ ہے۔ اس کی تلخیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس میں وہ دلائل بھی تھے جو ہمارے مضمون میں بیان ہو چکے ہیں، اس لیے تکرار سے بچنے کے لئے ان کو حذف کرنا ضروری تھا، اسی طرح بعض مفسرین کے اقتباسات بھی حذف کر دیے گئے ہیں۔ تاہم ان کے اصل دلائل اور اُن کا موقف اگلے صفحات میں ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تفویضِ طلاق... ایک اہم عائلی مسئلہ

از ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج[1]

میاں بیوی کے مابین قائم ہونے والے رشتہ کو نکاح کہا جاتا ہے اور اس رشتے کے ٹوٹ جانے کو طلاق، نکاح میں دوطرفہ رضامندی ضروری ہوتی ہے مگر طلاق میں دوطرفہ رضامندی ضروری نہیں ہوتی، گو بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ طلاق بھی دوطرفہ رضامندی سے ہی وجود پذیر ہوتی ہے، فقہی اصطلاح میں ایسی طلاق کو 'طلاقِ مبارات' کہتے ہیں۔[2]

۱ استاذ الفقہ والتفسیر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

۲ مجموعہ قوانین اسلام: ۲/ ۶۰۲، از جسٹس تنزیل الرحمٰن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

شوہر کی طرف سے دی جانے والی طلاق (جو کہ یک طرفہ ہوتی ہے) کو فقط طلاق کہہ دیتے ہیں، بیوی اگر اپنے شوہر سے علاحدگی کا مطالبہ کرے اور اس کے مطالبہ پر شوہر اگر اسے چھوڑ دے تو ایسی طلاق کو 'خلع' کہتے ہیں۔ اگر خلع کا مطالبہ، عدالت میں دائر کیا جائے جس کے نتیجے میں علاحدگی واقع ہو تو ایسی علاحدگی کو 'فسخ نکاح' کہتے ہیں، مذکورہ صورتوں میں کوئی صورت بھی ایسی نہیں کہ جس میں عورت حق طلاق میں خود مختار نظر آتی ہو۔ عورت کا عدالت میں جاکر طلاق کا مطالبہ کرنا بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ شریعت نے اسے طلاق دینے یا اسے اپنے اوپر وارد کرنے کے حق سے محروم رکھا ہے۔ طلاق اسے یا تو اُس کا شوہر دے یا پھر ایمرجنسی کے حالات میں حاکم عدالت اپنے شرعی اختیار سے تفریق کرادے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ عدالت وہ واحد مقام ہے کہ جہاں عورت کو 'حق طلاق' استعمال کرنے کی اجازت دی جاسکتی تھی اور اس مقام پر اس کے بر سر عدالت اقدامِ خلع کو طلاق کا بدل قرار دیا جاسکتا تھا مگر شریعت نے انصاف کی جگہ پر (اسلامی عدالت میں) بھی طلاق کا حق بہر حال عورت کو نہیں دیا کیوں کہ ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾[1]

"اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت ہے۔"

میں مرد کو ایک گونہ فضیلت برائے ضرورت اسی حق طلاق میں دی گئی ہے، خدا کی طرف سے بخشی گئی یہ 'فضیلت' مردوں کو نہیں، شوہروں کو حاصل ہے اور شوہر چونکہ ایک رشتے کا نام ہے اور رشتے کی فضیلت یہی ہے کہ وہ اس حق کو استعمال کرنے کا مجاز بنایا جائے۔ ہمارے خیال میں اگر کوئی شوہر اپنا یہ حق، اپنی زوجہ کو تفویض کرتا ہے تو دراصل وہ اللہ کی شریعت میں تبدیلی کا جرم کرتا ہے۔ شریعت نے اسے یہ حق ہرگز نہیں دیا کہ وہ اپنا یہ حق زوجہ کو تفویض کر دے اور زوجہ جب چاہے یہ حق استعمال کرکے اپنے خاوند سے الگ ہوجائے، اگر یہ عمل شریعت کی رو سے درست ہوتا تو شریعت طلاق کے عمل کو ہی دو طرفہ کر دیتی، پھر ایسا کرنے کی صورت میں خلع اور فسخ نکاح کی بھی حاجت نہ رہتی اور طلاق بہت آسان ہوجاتی۔

لیکن افسوس کہ ہماری کتبِ فقہ میں تفویض طلاق کے عنوان سے یہ حق، بیویوں کے حق

[1] سورۃ البقرہ:۲۲۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں تسلیم کر لیا گیا ہے۔ تفویض کے بعد طلاق کا حق صرف شوہر کے ہاتھ میں نہیں بلکہ بیوی کے ہاتھ میں بھی رہتا ہے۔ اُن دونوں میں سے جو چاہے وہ اسے بغیر کسی رکاوٹ کے استعمال کر سکتا ہے۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی طلاق کا ذکر آیا ہے، اس کی نسبت ہمیشہ مرد کی طرف کی گئی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد کو حاصل ہے مگر ہمارے بعض دانشوروں کو یہ امر خداوندی پسند نہ آیا یا یوں کہیے کہ ان کی سمجھ میں نہ آیا، اس لئے وہ اس امر کے مخالف ہوگئے اور اسے عورتوں پر ظلم سے تعبیر کرنے لگے۔[1] ہم سمجھتے ہیں کہ مرد کے حق طلاق پر معترض ہونے یا اس حق کو عورتوں میں منتقل کرنے[2] کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید میں شاید کوئی غلطی ہوگئی ہے جسے ٹھیک کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

نکاح کے ذریعے میاں بیوی ایک دوسرے کے زوج قرار پاتے ہیں، اس زوجیت کے رشتے میں مرد ناکح ہوتا ہے اور عورت منکوحہ، ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ عورت ناکح ہو اور مرد منکوحہ، اسی لئے تو ﴿بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾[3] میں گرہِ نکاح کا جس کے ہاتھ میں ہونا بیان ہوا ہے، وہ مرد ہے نہ کہ عورت۔ اس لئے کہ بیدہ میں ہ ضمیر مذکر کی ہے، اگر ضمیر مؤنث کی ہوتی تو گرہِ نکاح کو عورت کے ہاتھ میں سمجھا جاتا؛ اس طرح عورت ناکح بھی ہوتی اور اس گرہ کو کھولنے کی مجاز بھی مگر شریعت نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نہیں چاہتا کہ گرہِ نکاح عورت کے ہاتھ میں ہو، جب کہ تفویض طلاق میں گرہ نکاح عورت کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے اور وہ حق طلاق کو خود اپنے ہی خلاف استعمال کر کے اپنے شوہر سے الگ ہو جاتی ہے گویا خود ہی طالقہ ہوتی ہے اور خود ہی مطلقہ بھی، یعنی فاعلہ بھی خود اور مفعولہ بھی خود، یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کوئی

۱ فاضل مقالہ نگار کا اشارہ غلام احمد پرویز جیسے منکرین حدیث کی طرف ہے جو حق طلاق کو صرف مرد کے ساتھ خاص کرنے کو عورت پر ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ (مطالب الفرقان:۳/ ۳۹۲تا۳۹۴، طبع طلوعِ اسلام لاہور ۱۹۹۳ء)(ص۔ی)

۲ جیسا کہ علمائے احناف اس کے قائل ہیں۔ (ص۔ی)

۳ سورۃ البقرۃ:۲۳۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

شخص خود اپنے آپ سے نکاح کرلے، گویا خود ہی ناکح ہو اور خود ہی منکوحہ۔ ذرا سوچئے کہ تفویض طلاق کی صورت حال کس قدر مضحکہ خیز ہے، کوئی ہے جو اس پر غور کرے...؟

'عقدہ نکاح' کی نسبت مرد کے تعلق سے ایک آیت پیشتر بھی مذکور ہے، اپنے موقف کی تائید میں اسے بھی پیش کئے دیتا ہوں۔ ارشادِ پاک ہے:

﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾[1]

"اور معاہدۂ نکاح کو پختہ نہ کرو جب تک بیوہ عورتوں کی عدت مکمل نہ ہو لے۔"

تفویض طلاق کی بابت کچھ حقائق منتخب مفسرین کے حوالہ سے بھی ملاحظہ ہوں:

مفتی احمد یار خاں نعیمی رقم طراز ہیں:

"عورتوں کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے، پھر دن بھر میں پانچ پانچ طلاقیں ہوں گی، دیکھ لو آج امریکہ اور انگلینڈ میں طلاقوں کی کیسی بھرمار ہے کہ وہ لوگ چیخ پڑے ہیں۔"[2]

مزید فرماتے ہیں:

"طلاق کا حق صرف مرد ہی کو ہے، نہ کہ عورت کو"[3]

[اس عبارت میں 'صرف' کا لفظ قابل توجہ ہے۔]

اسلام کا قانون خلع

تفویض طلاق کو سمجھنے کے لئے خلع کے قانون کا سمجھنا بہت ضروری ہے، ہمارے نزدیک خلع کا قانون اپنی فطرت اور اصل میں تفویض طلاق کے قانون کا نقیض ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

"خلع کا فلسفہ یہ ہے کہ خلع عورت کے اختیار میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے، چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار

۱ سورۃ البقرۃ:۲۳۵

۲ اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعیمی، جلد ۴/ ۶۲۵، مکتبہ اسلامیہ، مفتی احمد یار خاں روڈ، گجرات

۳ تفسیر نعیمی: ۲/ ص ۵۶۸... تفسیر زیر آیت سورۃ البقرۃ:۲۳۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شارع نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے۔"[1]

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۹[2] میں جس صورتِ طلاق کا ذکر ہے، اسے اصطلاحِ شریعت میں خلع کہتے ہیں، طلاق اور خلع میں فرق یہ ہے کہ جب طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہوا ہو اور مرد اس مطالبہ کو پورا کر دے تو اسے خلع کہتے ہیں اور جب مرد محض اپنی خواہش سے عورت کو اپنے سے جدا کرنا چاہے تو اسے طلاق کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا قرآنی آیت کی تفہیم میں جمیلہ بنتِ عبداللہ اور ثابت بن قیس کا واقعہ ہماری رہنمائی کرتا ہے جو صحیح احادیث میں آیا ہے، اس واقعہ میں مذکورہ عورت کی خواہش پر مذکورہ مرد نے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر طلاق دی، خلع کی تاریخ کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

اس آیت میں ایک چیز قابل توجہ ہے، آیت کے ابتدائی حصے میں: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا ﴾ آیا ہے، اس میں مخاطب کی ضمیر آتی ہے اور مراد شوہر ہیں جبکہ ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ ﴾ میں بھی یہی ضمیر آئی ہے مگر اس سے شوہر مراد نہیں ہیں بلکہ حکام عدالت یا بحیثیتِ مجموعی مسلمان مراد ہیں۔ نحوی حضرات اپنی اصطلاح میں اسے 'انتشار ضمائر' کہتے ہیں اور اسے جائز وروا رکھتے ہیں، قرآن میں اس طرح کی اور مثالیں بھی موجود ہیں۔

آیت کو بحیثیتِ مجموعی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں خلع کی دو قسمیں مذکور ہوئی ہیں، قسم اوّل میں اس خلع کا بیان ہے جو گھر کے اندر رہتے ہوئے خوش اُسلوبی سے طے ہو جائے اور قسم ثانی میں اس خلع کا جس کے لئے عورت کو قاضی کی عدالت میں جانا پڑے، بہر دو صورت خلع مطالبۂ طلاق کا نام ہے، خواہ وہ شوہر دے یا حاکم عدالت میں ان میں تفریق کرائے، اسی بات

---

۱ بدایۃ المجتہد: ۲/۶۸، مطبوعہ مصر ۱۳۷۹ھ

۲ ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کو مولانا حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنی تفسیر احسن البیان میں یوں لکھا ہے کہ

"خلع بذریعہ طلاق بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ فسخ بھی۔"[1]

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے:

"...عورت حاکم وقت کے پاس خلع کا مطالبہ کرے اور حاکم پہلے اُن کی مصالحت کی کوشش کرے گا، اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا، حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کر دے اور اس کے درمیان تفریق کرا دے یہ خلع ہے۔"[2]

خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ طلاق یعنی زوجین کے مابین جدائی کی جو قسمیں قرآن سے ماخوذ و مستنبط ہیں، ان میں ایک تو طلاق ہے، دوسری خلع اور تیسری فسخ نکاح ہے۔ یہ تینوں قسمیں اپنے حوالوں کے ساتھ اوپر مذکور ہو چکیں اور تینوں کی موجودگی میں تفویض طلاق کا قانون ہماری نظر میں خدائی شریعت میں کسی نقص اور کمی کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔

[ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، دارالمصنفین، بھارت، جنوری ۲۰۰۷ء صفحات ۲۳ تا ۳۴ ملخصًا]

اب دوسرا مضمون ملاحظہ فرمائیں، اس میں فاضل مضمون نگار نے حنفی ہونے کے باوجود حق خلع کے انکار کے لئے احناف جو دلائل پیش کرتے ہیں، اُن کا جواب بھی دیا ہے اور اُنہیں نصوصِ قرآن و حدیث کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس کا عنوان بھی فاضل مضمون نگار ہی کا تجویز کردہ ہے۔ یہ مضمون اُن کی کتاب 'جدید فقہی مسائل' سے ماخوذ ہے...

خُلع میں قاضی اور حَکَم کے اختیارات

خلع کے سلسلے میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس میں قاضی اور عدالت کے اختیارات کیا ہوں گے؟ کیا یہ مکمل طور پر مرد ہی کے اختیار میں ہے اور اس کی آمادگی اور رضامندی ہی پر طلاق موقوف ہے یا اس میں قاضی کو دخیل ہونے کا بھی کچھ حق ہے؟

۱ تفسیر زیر آیت ۲۲۹

۲ ضیاء القرآن، جلد اوّل ص ۱۵۸، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور، طبع اوّل ۱۴۰۲ھ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

فقہا کی رائیں

اس سلسلے میں فقہا کی آرا مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے یہاں یہ اختیار مکمل طور پر مرد ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قاضی خود یا قاضی کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حکم بطورِ خود عورت کو طلاق نہیں دے سکتے۔ اس کے بر خلاف امام مالک کے نزدیک قاضی زوجین کے حد سے گزرے ہوئے باہمی اختلاف کی صورت میں ایک دو رکنی مصالحتی کمیٹی قائم کرے گا جس میں بہتر ہے کہ ایک مرد کا رشتہ دار ہو اور دوسرا عورت کا، دونوں سمجھدار اور شرعی احکام سے واقف ہوں، پھر وہ ان دونوں کے حالات کا جائزہ لیں۔ اگر مصالحت اور اتفاق کی کوئی صورت نکل آئے تو دونوں میں مصالحت کرا دیں، اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکے اور دونوں کی رائے ہو کہ باہم تفریق اور علیحدگی کرا دی جائے تو وہ یہ بھی کر سکتے ہیں؛ اس طرح کہ مرد کا رشتہ دار حکم طلاق دے دے اور عورت کا رشتہ دار حکم مہر معاف کرنے کا یا جو معاوضہ مناسب سمجھے عورت کو اس کی ادائیگی کا پابند کرے اور دونوں میں تفریق ہو جائے۔[1]

احناف کے دلائل

احناف دراصل اس مسئلہ میں اس عام اُصول پر چلے ہیں کہ طلاق کا اختیار مردوں کے ہاتھ میں ہے اور خلع بھی مال کے عوض میں طلاق ہی ہے، اس لیے مرد کی آمادگی بہر طور ضروری ہوگی۔ اس بنا پر ان کے یہاں حکمین کی حیثیت زوجین کے وکیل کی ہوتی ہے اور وہ اِنہی حدود میں رہ کر اقدام کر سکتے ہیں جو زوجین نے متعین کر دی ہیں۔

دوسرے اُن کا استدلال اس واقعہ سے بھی ہے جسے ابو بکر جصاص رازی نے اپنی 'احکام القرآن' میں اور دوسرے مختلف مصنّفین نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک ایسے ہی مقدمہ میں حکم متعین کیے۔ پھر ان حکمین سے مخاطب ہو کر ان کی ذمہ داری بتائی کہ اگر ان دونوں کو جمع کر سکو تو جمع کر دو اور ان کا ازدواجی رشتہ بر قرار رکھو اور اگر تفریق و علیحدگی مناسب محسوس ہو تو ایک دوسرے کو علیحدہ کر دو۔ عورت تو اس پر آمادہ ہو گئی مگر مرد

1 احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۱۹۲؛ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۵/ ۱۷۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نے علیحدگی پر اپنی عدمِ آمادگی کا اظہار کیا۔ حضرت علیؓ نے مرد پر دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا کہ جب تک تم اس عورت کی طرح فیصلہ کی ہر دو صورت پر آمادگی کا اظہار نہ کرو، یہاں سے ہٹ نہیں سکتے۔(كَذَبْتَ وَاللهِ لَا تَنْفَلِت مِنِّي حَتَّى تُقِرَّ كَمَا أَقَرَّت)[1] تو اس سے استدلال یوں ہے ہے کہ یہاں حضرت علیؓ کا مرد کو تفریق کے لیے آمادہ ہونے پر مجبور کرنا بالکل بے معنیٰ ہوگا، اگر حکم کو بطور خود طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو اور وہ مرد کی رضامندی حاصل کرنے کا مکلف نہ ہو۔

امام مالک کے دلائل

امام مالک اور جو فقہا قاضی کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حکمین کو تفریق اور علیحدگی کا مجاز گردانتے ہیں، ان کی دلیل سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود قرآن مجید کی طرف رجوع کریں۔ قرآن کہتا ہے:

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵ ﴾[2]

"اگر تم کو ان دونوں کے درمیان شدید اختلاف کا اندیشہ ہے تو ایک ایک حکم مرد و عورت کے خاندان سے بھیجو۔ اگر وہ دونوں اصلاحِ حال چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ اللہ تمام باتوں سے باخبر اور واقف ہے۔"

اس آیت میں متعدد قرائن ایسے ہیں جو امام مالک کے موقف کی تائید کرتے ہیں:

① اوّل یہ کہ اس آیت کے مخاطب قضاۃ اور حُکام ہیں۔ سعید بن جبیر، ضحاک اکثر مفسرین اور خود ابوبکر جصاص رازی کی یہی رائے ہے اور قرآن کے لب ولہجہ سے بھی اسی کی تاکید ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قاضی اور حاکم کی حیثیت واعظ اور محض اخلاقی اپیل کرنے والے ناصح کی نہیں ہے بلکہ اس کا منصب یہ ہے کہ جو لوگ وعظ و نصیحت کی زبان سمجھنے پر آمادہ نہ ہوں، اُن کے لیے قانون اور اختیارات کی تلوار استعمال کی جائے۔ لہٰذا اگر قاضی

۱ احکام القرآن للجصاص:۲/۲۳۹

۲ سورۃ النساء:۳۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کے مقرر کردہ حَکمین کو قانونی اختیار حاصل نہ ہو تو قرآن کا قاضی کو مخاطب بنانا اور قاضی ہی کی طرف سے حَکمین کی تقرّری ایک بے معنی بات ہو جائے گی۔ اس لیے قضاۃ اور حکام سے خطاب بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس مسئلہ میں قاضی کے نمائندہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہونی چاہیے کہ وہ چاہے تو مصالحت کرا دے یا اپنی صوابدید پر علیحدگی کر دے۔

② دوسرے قاضی کے بھیجے ہوئے ان نمائندوں کے لیے قرآن نے حَکم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حَکم کے معنی خود حکم اور فیصلہ کرنے والے کے ہیں۔ اب اگر اس کی حیثیت محض طرفین کے وکیل کی ہو اور وہ ان کے احکام کا پابند ہو تو وہ حکم اور فیصل کہاں باقی رہا۔ اس تعبیر کا تقاضا بھی ہے کہ وہ تفریق اور مصالحت کے معاملہ میں خود مختار ہوں۔

③ تیسرے قرآن نے یہاں ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا﴾ کہا ہے: "اگر حکمین ان دونوں میں مصالحت کرانا چاہیں۔" یہاں حکمین کی طرف 'ارادہ' اور 'چاہنے' کی نسبت کی گئی ہے اور ایسی بات اسی کے بارے میں کہی جاسکتی ہے جو کسی کام کے کرنے اور اس کے خلاف اقدام کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جو شخص کسی کا وکیل ہو وہ ارادہ و اختیار کا مالک نہیں ہوتا وہ تو بہر صورت خاص اسی حکم کا پابند ہوتا ہے۔

احادیثِ نبویہ

اب آیئے ان احادیث کی طرف جو اس مسئلہ میں قاضی کے مختار ہونے کو بتاتی ہے:

④ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی حضورؐ کی خدمت میں تشریف لائیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! مجھے ثابت بن قیسؓ کے دین و اخلاق سے کوئی شکایت نہیں ہے لیکن مجھے یہ بات بھی پسند نہیں ہے کہ مسلمان ہو کر کسی کی ناشکری کروں (أكره الكفر في الاسلام) یعنی ایک طرف ثابتؓ کا میرے ساتھ اچھا سلوک ہے، دوسری طرف میرا اُن کی طرف طبعی رجحان نہیں ہے جس کے باعث میری طرف سے ان کی ناقدری ہوتی ہے۔ اس لیے ہم دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس کو اس کا باغ لوٹا دو گی۔ اُنہوں نے کہا: 'ہاں'....

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اب آپؐ نے حضرت ثابتؓ سے فرمایا کہ باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو «اقبل الحديقة و طلّقها تطليقةً» اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ حضورؐ نے اُن کو حکم دیا لہٰذا اُنہوں نے بیوی کو علیحدہ کر دیا۔ (أمره ففارقها)[1]

امام بخاری کی ایک اور روایت اور نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام جمیلہ بنت عبد اللہ تھا۔ اس حدیث میں واقعہ کا یہ پہلو بہت قابل غور ہے کہ حضورؐ نے حضرت ثابتؓ سے اپیل نہیں کی نہ مشورہ کیا بلکہ دوٹوک لفظوں میں طلاق دینے کا حکم فرمایا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ قاضی مرد کی رضامندی اور آمادگی معلوم کرنے کا پابند نہ ہوگا بلکہ حسبِ ضرورت اس کو اپنی صوابدید پر نافذ کرے گا۔ اب اس کے نافذ کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ خود مرد اس بات کے لیے تیار ہو جائے اور طلاق دے دے جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا، یا پھر قاضی خود علیحدہ کر دے۔

آثارِ صحابہؓ

احادیث کے بعد صحابہؓ کے آثار اور معمول پر نظر ڈالیے:

⑤ اس نوعیت کا ایک واقعہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں پیش آیا۔ ان کے زمانہ میں عقیلؓ بن ابی طالب اور فاطمہؓ بنتِ عتبہ (جو میاں بیوی تھے) کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ فاطمہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے عبد اللہ بن عباسؓ اور معاویہؓ کو بحیثیتِ حکم بھیجا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا: (أفرقن بينهما) ''میں ضرور ان دونوں میں تفریق کر دوں گا۔'' اور معاویہؓ نے کہا کہ میں عبد مناف کے دو بزرگ خانوادوں میں تفریق نہیں کر سکتا (ما كنت لا فرق بَيْنَ شَيْخَيْنِ مِنْ بَنِي عَبْدِ مَنَاف) یہاں تک کہ ان دونوں نے باہم خود ہی مصالحت کر لی۔[2]

یہاں بھی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا بحیثیتِ حکم فرمانا کہ میں ان دونوں کے درمیان ضرور تفریق کر دوں گا، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حکم بحیثیتِ حکم خود ہی تفریق کے معاملہ میں

١ صحیح بخاری: ۵۲۷۳،۵۲۷۶

٢ الجامع الاحکام القرآن للقرطبی: ۱۷۶/۵... سورۃ النساء: ۳۵

مجلس التحقيق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مختار ہوتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ دونوں ہی حکم کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں۔

⑥ اس سلسلہ کا دوسرا واقعہ وہی حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت کا واقعہ ہے جس کا مجمل ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ دار قطنی نے محمد بن سیرین کے واسطہ سے صحیح سند سے اس واقعہ کی تفصیل ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ ایک شوہر و بیوی اپنے اپنے لوگوں کے ساتھ حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے۔ حضرت علیؓ کے حکم سے شوہر و بیوی ہر ایک کے لوگوں میں سے ایک ایک حکم منتخب کیے گئے۔ حضرت علیؓ نے اُن دونوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا تم کو اپنے ذمّہ داری معلوم ہے؟ تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ مناسب سمجھو تو دونوں میں علیحدگی کرادو۔ عورت نے کہا: میں اللہ کی کتاب پر راضی ہوں چاہے اس کا فیصلہ میرے حق میں ہو یا میرے خلاف...!

شوہر نے کہا کہ جہاں تک علیحدگی کی بات ہے تو میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔ (أما الفرقة فلا) حضرت علیؓ نے کہا: تم نے جھوٹ کہا، تم بھی جب تک اس عورت کی طرح اقرار نہ کرلو، یہاں سے جا نہیں سکتے۔

اس مقدمہ میں حضرت علیؓ کا حکمین سے کہنا کہ کیا تم اپنی ذمہ داری سے واقف ہو، تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اگر تم چاہو تو علیحدگی کرادو (هَلْ تَدْرِيَانِ مَا عَلَيْكُمَا؟ عَلَيْكُمَا إِنْ رَأَيْتُمَا أَنْ تُفَرِّقَا فَرَّقْتُمَا)[1] اس بات کی علامت ہے کہ حکمین بحیثیتِ حکم تفریق کا اختیار رکھتے ہیں اور وہ اس کے ذمّہ دار ہیں۔ اگر ان کی حیثیت محض وکیل کی ہوتی تو سوال اس طرح ہوتا "کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس بات کے وکیل بنائے گئے ہو؟ (هل تدريان ما وكّلتما) پھر یہ کہ خلع میں اگر ایک طرفہ مرد کی رضامندی ضروری ہوتی اور قاضی کو اس سلسلہ میں کوئی اختیار نہ ہوتا تو یہ بات بھی درست نہ ہوتی کہ حضرت علیؓ اس پر طلاق کی آمادگی کے لئے دباؤ ڈالیں، وہ زیادہ سے زیادہ سفارش اور اپیل ہی کرسکتے تھے۔

ان وجوہ کی بنا پر واقعہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام مالک کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے اور یہی رائے اکثر فقہا: اوزاعی، اسحاق، شعبی، نخعی، طاؤس، ابوسلمہ، ابراہیم، مجاہد اور امام شافعی

1 الجامع الاحکام القرآن للقرطبی: ۵/۱۷۷... سورۃ النساء: ۳۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رحمۃ اللہ علیہم کی ہے اور صحابہ میں بھی حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے۔

احناف کے دلائل کا تجزیہ

احناف کے دلائل اس مسئلہ میں قابل غور ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ اصل یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے، تسلیم ہے مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مقاصدِ نکاح کی حفاظت اور زوجین کی مصلحتوں کی رعایت کے پیش نظر قاضی بھی بہت سی صورتوں میں تفریق کا مختار بن جاتا ہے۔ یہاں بھی زوجین کے بڑھتے ہوئے شدید اور ناقابل حل اختلاف کو پیش نظر رکھ کر جب قاضی کے نمائندے اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ ان دونوں میں تفریق اور علیحدگی ہو جانی چاہیے تو مقاصدِ نکاح کی حفاظت اور دونوں کو اللہ کی حدوں پر قائم رکھنے کے لئے ضروری ہو گا کہ یہ لگام مرد سے لے لی جائے اور قاضی کی طرف سے مقرر شدہ حکم از خود تفریق کر دیں۔

احناف کا یہ استدلال کہ حضرت علیؓ نے شوہر کو اس کا اقرار کرنے پر مجبور کیوں کیا کہ وہ بھی حکم کے فیصلہ کے مطابق مصالحت اور علیحدگی ہر دو صورت پر آمادہ ہو۔ کیونکہ اگر حکم کو اس کا اختیار ہو گا تو شوہر کا اقرار کرنا اور انکار کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بھی دوٹوک نہیں ہے۔ امام مالک اور ان کے ہم خیال حضرات کے نزدیک حضرت علیؓ کے اس حکم کی حیثیت وہی تھی جو نامرد کو طلاق کا حکم دینے کے سلسلے میں ہے۔

یعنی اگر شوہر نامرد ہو اور عورت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس سے علیحدگی کی حقدار ہے تو قاضی پہلے خود شوہر سے کہے گا کہ وہ عورت کو طلاق دے دے، مرد اگر اس پر آمادہ ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ خود قاضی اس کی طرف سے عورت کو طلاق دے دے گا۔ حضرت علیؓ کا مطالبہ یہاں اسی نوعیت کا تھا کہ اگر شوہر خود طلاق دے دے تو بہتر ہے ورنہ پھر قاضی کے نمائندے حکمین خود اس ناخوشگوار فریضہ کو انجام دیں گے۔

ہمارے زمانے میں جہالت اور احکامِ شرع سے بے خبری اور اس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں ظلم و زیادتی اور اختلافات کی روشنی میں اگر اس مسئلہ میں فقہاے مالکیہ کی رائے قبول کر لی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جائے تو شاید مناسب ہو۔

یہ چند سطریں اس لئے لکھی گئی ہیں کہ علمائے کرام اور اربابِ افتا اس جزئیہ پر نظر ثانی کریں۔ واللہ هو المستعان و عليه التكلان

ان اُمور کے علاوہ ہمارے فلاسفہ اسلام نے خلع کی جو روح اور حکمت بتائی ہے وہ بھی اس سے مطابقت رکھتی ہے جو امام مالک کا مسلک ہے۔ چنانچہ حافظ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

''خلع عورت کے اختیار میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے۔ چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شریعت نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے۔''[1]

[جدید فقہی مسائل: حصہ دوم، ص ۹۷ تا ۱۰۷
طبع حرا پبلی کیشنز، اُردو بازار، لاہور]

عبارت کی تصحیح

'محدث' کے گذشتہ شمارے نمبر ۳۶۱ میں شائع شدہ اس مضمون کی پہلی قسط یعنی 'تفویض طلاق والے' مضمون میں ص ۶۶ کی سطر نمبر ۱۴ کو اس طرح پڑھیں:

دوسری صورت خیار طلاق کی ہے....

اور سطر نمبر ۱۷ اس طرح پڑھیں:

تیسری صورت جو بعض آثارِ صحابہ سے ثابت ہے، یہ ہے...

قاری حضرات مضمون میں یہ ضروری تصحیحات کرلیں۔ شکریہ ...ادارہ

ا بدایۃ المجتہد: ۲/ ۶۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ڈاکٹر صفدر محمود

نظریۂ پاکستان اور اس کا انکار!

حالیہ انتخابات میں جملہ اسلامیانِ پاکستان کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کا مقصد، ہدف اور نعرہ کسی مقبول سیاسی جماعت نے نہیں اپنایا اور اگر کسی نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے پیش بھی کیا تو عوام پاکستان نے اُس کو خاص پذیرائی نہیں بخشی۔ بلکہ اس سے بڑھ کر انتخابات سے قبل پاکستان کے نظریہ جو ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے، اُس سے ہی سرے سے انکار کیا جاتا رہا۔ اگر 'الیکشن کمیشن آف پاکستان' کے بعض اہل کاروں نے دستور کی دفعہ ۶۲،۶۳ کی تصدیق کرتے ہوئے اسلام کی بنیادی معلومات پر مبنی سوالات اُمیدواروں سے دریافت کئے تو اُنہیں اس سے روک کر، اُن کی چھان پھٹک کو محض مالی بدعنوانی یا تعلیمی اسناد تک محدود کر دیا گیا۔ ان حالات میں ایسے ممبران سے کیا توقع کی جائے کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں قانون سازی کریں گے، جب کہ وہ اسلام کی اساسات سے بھی واقف نہیں۔

نظریہ پاکستان کے بارے میں واضح رہنا چاہئے کہ اگر یہ مسئلہ امر واقعہ میں تحقیق طلب تھا تو بہر حال اب اس کی تحقیق کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ قیام پاکستان کے بعد قرار داد مقاصد ۱۹۴۹ء اور ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین میں واضح طور پر یہ قرار دیا جا چکا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور یہاں کتاب وسنّت کو فروغ دیا جائے گا۔ اس دستور کو عوام پاکستان کے منتخب نمائندے منظور کر چکے ہیں، عدالتیں اس کی بنا پر فیصلہ کرتی ہیں اور یہ جمہوری اساسات پر ایک مسلمہ بن چکا ہے کہ پاکستان میں اسلام نظام کو قائم کیا جائے گا، اس کے باوجود نامعلوم کیوں، پاکستان کے سیکولر حضرات اپنی رٹ لگائی رکھتے ہیں اور میڈیا ان کی بے تکی ہانک کو اُچھالتا رہا ہے، اب اس طے شدہ قضیہ کو موضوع بنانا لکیر پیٹنے کے ہی مترادف ہے۔ اس بنیادی سوال کا فیصلہ قرار داد مقاصد کی آئینی دستاویز بخوبی کر دیتی ہے کہ پاکستان بنانے کا مقصد کیا تھا؟... الیکشن سے قبل کے ایام میں جاری اسی مباحثہ میں درج ذیل دو کالم خصوصی افادیت کے حامل رہے، معلومات میں اضافہ کی خاطر ملاحظہ کیجئے۔ ح م

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

خدا جانے ہمارے یہ مہربان پاکستان کی نظریاتی اساس کو بار بار کیوں مشق ستم بناتے اور ان حقائق سے انکار کرتے ہیں جن سے ہماری پوری تاریخ بھری پڑی ہے۔ مقصد نوجوان نسلوں کو کنفیوژ کرنا ہے یا پاکستان کے تصور کو مشکوک بنانا، مجھے علم نہیں لیکن مجھے حیرت ہوتی ہے جب پڑھے لکھے ڈگری یافتہ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نظریۂ پاکستان نام کی کوئی شے موجود ہی نہیں اور نہ ہی کبھی قائداعظم کے منہ سے آئیڈیالوجی کا لفظ نکلا تھا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک اتنا بڑا ملک جو ۱۹۴۷ء میں دنیاے اسلام کا سب سے بڑا ملک تھا اور جو برصغیر کی تقسیم کے نتیجے کے طور پر ظہور پذیر ہوا، وہ کسی نظریئے اور تصور کے بغیر وجود میں آگیا اور پھر عالمی تاریخ کی سب سے بڑی 'ہجرت' کسی نظریئے کے بغیر معرضِ وجود میں آگئی۔ لاکھوں لوگ اپنے صدیوں پرانے گھر، جائیدادیں اور آباؤ اجداد کی قبریں چھوڑ کر بلاوجہ نئے ملک اور اجنبی جگہ پر آکر آباد ہوگئے۔ کیا کبھی انسانی تاریخ میں ایسا ہوا ہے؟

آگے بڑھنے سے قبل مجھے عرض کرنے دیجئے کہ مسلمان اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک اسلامی ریاست کا قیام ہندوستان کے مسلمانوں کا صدیوں پرانا خواب تھا جس کے شواہد مغلیہ خاندان کے زوال کے بعد ہماری پوری تاریخ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اسی نفسیات اور مسلمانوں کے دیرینہ خواب کو سمجھتے ہوئے قائداعظم نے علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان تو اسی روز معرضِ وجود میں آگیا جس روز ہندوستان کی سرزمین پر پہلے مسلمان نے قدم رکھا۔ پھر کہا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، میں نے فقط یہ کیا کہ جو بات آپ کے دلوں اور ذہنوں میں تھی، اسے طشت از بام کر دیا یعنی ببانگِ دہل کہہ دیا۔

اگر پاکستان کا تصور نظریاتی نہیں تھا تو پھر وہ اسی دن کیوں معرضِ وجود میں آگیا جس دن ہندوستان میں پہلا شخص مسلمان ہوا تھا؟

سادہ سی بات صرف اتنی ہے کہ ہماری ماڈرن تاریخ میں تصورِ پاکستان کی بنیاد سر سید احمد خان نے رکھی جب اُنہوں نے ۱۸۹۴ء میں جالندھر میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دونوں قومیں (ہندو اور مسلمان) زیادہ عرصے تک اکٹھی نہیں رہ سکیں گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ اُن کے درمیان فاصلے بڑھتے جائیں گے۔ مسلمان ہندوؤں سے علیحدہ ہو کر فائدہ میں رہیں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

گے۔ ہماری تعلیم اس وقت مکمل ہو گی جب ہم خود اس کے مالک ہوں گے اور ہمارے سروں پر کلمے کا تاج ہو گا۔ اسی لئے علامہ اقبال نے آل پارٹیز کانفرنس دہلی میں یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ آج سے نصف صدی قبل سر سید احمد خان نے مسلمانوں کے لئے جو راہِ عمل تجویز کی تھی، وہ درست تھی۔ تلخ تجربات کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔''

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ علامہ اقبال سے لے کر قائد اعظم تک ایک ہی قسم کا تصور پیش کیا گیا اور وہی نظریۂ پاکستان ہے۔ وہ تصور کیا تھا؟ مختصر الفاظ میں وہ نظریہ فقط یہ تھا کہ ہندو اور مسلمان ہر لحاظ سے دو مختلف اور الگ الگ قومیں ہیں، اس لئے مسلمانوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ مسلمان اکثریتی علاقوں پر جو جغرافیائی طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ایک علیحدہ وطن کے قیام کا مطالبہ کریں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اقبال اور جناح محض ایک جغرافیائی ملک کا مطالبہ کر رہے تھے؟ سطحی نظر سے بھی مطالعہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ ایک اسلامی ریاست کا مطالبہ کر رہے تھے جہاں مسلمان اپنے مذہب، ثقافت، دین اور شریعت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ گویا اس مطالبے کی بنیاد دو اُصولوں پر تھی۔ اوّل مسلمان ہندو الگ الگ قومیں ہیں، دوم ہمارا مقصد ایک اسلامی ریاست قائم کرنا ہے۔ سادہ الفاظ میں یہی تصورِ پاکستان تھا اور یہی نظریۂ پاکستان ہے جس کے لئے لاکھوں مسلمانوں نے خون بہایا، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اپنے گھر بار اور بزرگوں کی قبروں کو چھوڑ کر ہجرت کی اور ماؤں بہنوں کی عصمتیں لٹائیں۔

سیکولر حضرات کا کہنا ہے کہ قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی نظریۂ پاکستان ختم ہو گیا کیونکہ وہ صرف تصورِ پاکستان کے پہلے حصے کا ذکر کرتے ہیں اور دوسرے حصے سے خوفزدہ ہو کر اسے 'اِگنور' کر دیتے ہیں۔ چلئے ہندو مسلم الگ الگ قوموں کا نظریہ قیامِ پاکستان کے ساتھ ختم ہو گیا لیکن پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کا مقصد تو پورا نہیں ہوا۔

یہاں اسلامی ریاست سے مراد مذہبی شخصیات کی اجارہ دار ریاست نہیں اور نہ ہی اسلام

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں پاپائیت یا تھیوکریسی کا تصور موجود ہے۔ مسئلہ تو فقط اتنا سا ہے کہ سیکولر حضرات اسلامی ریاست اور اسلامی قانون کے تصور سے گھبراتے ہیں۔ وہ دین سے بیزار اور بیگانہ ہیں اور وہ پاکستان میں انہی آزادیوں کا خواب دیکھتے ہیں جو مغرب کے جمہوری ممالک میں بہ افراط پائی جاتی ہیں۔ اُنہیں مغربی لباس میں ملبوس سگار کے کش لگاتا جناح تو پسند ہے لیکن وہ جناح پسند نہیں جس نے ۲۷ جولائی ۱۹۴۴ء کو راولپنڈی میں واضح کر دیا تھا: "پاکستان کے دستور کے متعلق کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔ ہمارے پاس ۱۳۰۰ سال سے دستور موجود ہے۔"

ایک سوال کے جواب میں قائداعظم نے کہا کہ "پاکستان میں شراب پر یقیناً پابندی ہوگی۔" (قائداعظم کے شب و روز مؤلفہ خورشید احمد خان، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد صفحہ نمبر ۱۰)

لطف کی بات ہے کہ آج قائداعظم کا نام استعمال کرنے والی سیاسی جماعتیں غیر شرعی عادات کے شکار اُمیدواروں کو ٹکٹ دے رہی ہیں۔ اسلامی دستور، اسلامی قانون کے لئے قائم ہونے والی ریاست کا تصور یا نظریہ نہ سیکولر حضرات کو گوارہ ہے اور نہ ہی اُن سیاسی قائدین کو جو اسمبلیوں میں اراکین کو اسلامی کردار کی بنا پر نہیں بلکہ دولت کی طاقت پر پہچاننا چاہتی ہیں۔ یہی وہ جمہوریت ہے جس سے اقبال نالاں تھے۔ "اقبال نے جمہوری طرزِ حکومت پر جو تنقید کی ہے وہ بھی اس لئے کہ غریب اور جاہل عوام کو سرمایہ دار خرید لیتے ہیں اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔ وہ جمہوریت کو روحانی اقدار کا پابند کرنا چاہتے تھے۔" (علم کا مسافر ڈاکٹر طالب حسین سیال ص ۸۶)

کالم کا دامن محدود ہے اس لئے اختصار سے کام لینا پڑے گا۔ نظریۂ پاکستان کو سمجھنے کے لئے علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کے ان فقروں پر غور فرمائیں: "برعظیم پاک و ہند میں ایک اسلامی مملکت قائم کرنے کا مطالبہ بالکل حق بجانب ہے۔ اسلام کو بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم رکھ سکے۔"

اقبال کے تصورِ پاکستان کو سمجھنے کے لئے ان کے خطوط بنام جناح (۱۹۳۶ء، ۳۷ء) کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ قائداعظم نے قیامِ پاکستان سے قبل ۱۰۱ بار واضح کیا کہ پاکستان کے دستور اور قانونی ڈھانچے کی بنیاد اسلامی اُصولوں پر استوار کی جائے گی اور قیامِ پاکستان کے بعد یہی بات چودہ بار کہی۔ فروری ۱۹۴۸ میں بحیثیت گورنر جنرل انہوں نے امریکی عوام کے نام ریڈیو پیغام میں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پاکستان کو 'پریمیر اسلامی ریاست' قرار دیا اور زور دے کر کہا کہ پاکستان کا دستور جمہوری ہو گا جس کی بنیاد اسلامی اُصولوں پر رکھی جائے گی۔ ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق تشکیل دینے کے لئے قائداعظم نے ڈاکٹر اسد کی سربراہی میں باقاعدہ ایک محکمہ قائم کیا جو قائداعظم کی وفات کے بعد اپنا کام پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ مختصر یہ کہ اقبال اور جناح کا تصور پاکستان ایک اسلامی ریاست کا تصور ہے اور یہی نظریۂ پاکستان ہے لیکن سیکولر حضرات کو یہ تصور گوارہ نہیں چنانچہ وہ نظریئے ہی سے انکاری ہیں جبکہ یہ نظریہ ہماری ساری تاریخ میں پھیلا ہوا ہے۔

کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ قائداعظم نے کبھی آئیڈیالوجی کا لفظ ادا نہیں کیا جبکہ صرف ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کی تقریر میں قائداعظم نے یہ لفظ تین بار ادا کیا، البتہ سیکولر کا لفظ کبھی قائداعظم کے منہ سے نہیں نکلا۔ کچھ روشن خیال قائداعظم پر سیکولرازم کا غلاف چڑھانے کے لئے جسٹس منیر کی کتاب 'جناح ٹو ضیا' کا حوالہ دیتے ہیں۔ اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ کاؤس جی، پرویز ہود بھائی اور دوسرے سیکولر دانشور اس کتاب سے جن الفاظ کا حوالہ دیتے ہیں وہ الفاظ جسٹس منیر نے قائداعظم کے منہ میں ڈالے ہیں اور برطانوی نژاد سلینہ کریم اپنی کتاب 'سیکولر جناح' میں تحقیق سے ثابت کر چکی ہے کہ وہ الفاظ قائداعظم کے نہیں، ان کی انگریزی گرامر بھی غلط ہے اور الفاظ بھی جسٹس منیر کے ہیں۔

کچھ حضرات مطالبہ کرتے ہیں کہ سپریم کورٹ نظریۂ پاکستان کی وضاحت کرے۔ سپریم کورٹ جسٹس حمود الرحمٰن کی سربراہی میں نظریۂ پاکستان کی وضاحت کر چکی ہے جو پی ایل ڈی ۱۹۷۳ سپریم کورٹ صفحہ ۴۹ اور ۷۲، ۷۳ پر موجود ہے۔ دو سطریں ملاحظہ فرمایئے: "پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے اور اس کا نظریہ ۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد میں درج ہے جسے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے منظور کیا ہے... مملکتِ پاکستان اسلامی نظریئے کی بنیاد پر وجود میں لائی گئی تھی اور اس نظریئے کی بنیاد پر چلائی جائے گی۔"

تجاہل عارفانہ کی حد دیکھئے کہ نظریہ پاکستان یحییٰ خان کے دور میں جنرل شیر علی کی ایجاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد نظریہ پاکستان پر بہت کچھ لکھا گیا۔ جنرل شیر علی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کے وزیر بننے سے دس سال قبل ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب 'آئیڈیالوجی آف پاکستان' چھپ چکی تھی۔ بھائی تجاہل عارفانہ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

مختصر یہ کہ نظریہ پاکستان ہماری تاریخ کا حصہ ہے یہ ایک روشن حقیقت کی مانند موجود ہے لیکن وہ حضرات جنہیں پاکستان کے اسلامی ریاست ہونے یا بننے کا خیال گوارہ نہیں، وہ مسلسل اس سے انکار کئے جاتے ہیں اور اپنی تاریخ کی نفی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور: ۱۹/ اپریل ۲۰۱۳ء)

۲

کالم نگار: اسرار بخاری

'آل انڈیا مسلم لیگ' کی قیامِ پاکستان کی تحریک

مغرب کے آلہ کار عناصر قیام پاکستان کے وقت سے مقاصدِ پاکستان کے حوالے سے اعتراضات، مغالطوں، گمراہ سوچ کی گرد و غبار اُڑا رہے ہیں اور قائداعظم کی ایک تقریر کو غلط طور پر بنیاد بنائے ہوئے ہیں، حالانکہ اس کی وضاحت میں سینکڑوں تحریریں صفحاتِ قرطاس پر جلوہ گر ہو چکی ہیں۔ اس کا بے حد مسکت اور ناقابل تردید جواب ہفت روزہ 'ندائے خلافت' نے اپنے ٹائٹل پیج پر آل انڈیا مسلم لیگ کے رکنیت فارم کا عکس شائع کر کے دیا ہے جس کے بعد اُصولی طور پر اس بحث کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے۔ رکنیت فارم کا متن یوں ہے:

لا إله الا اللّٰه محمّد رسول الله

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (القرآن)

میں مسلم لیگ کا ممبر ہونا چاہتا ہوں اور بحیثیتِ مسلمان اقرار کرتا ہوں کہ

① میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نصب العین "آزاد ہندوستان کے ساتھ آزاد ملّتِ اسلام" یعنی براعظم ہند میں، اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ مدراس کی تصریحات کے مطابق آزاد مسلم وطنوں کی تعمیر اور قومیتِ ملّت اسلامیہ، ہند کے کامل استقلال و آزادی کے قیام اور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مسلمانوں کے حقوق و مفاد کی سارے براعظم ہندوستان کے اندر ملکی حفاظت پر عقیدہ رکھتا ہوں۔

② میں ملتِ اسلامیہ ہند کو براعظم ہند کے اندر ایک مستقل قومیت یقین کرتا اور فکر اسلامی کا مسلک قبول کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ تمام فکروں پر فکرِ اسلامی کو اور تمام مفادوں پر مفادِ اسلامی کو اور تمام وفاداریوں پر وفاداریٔ اسلام کو برتر، غالب و مقدم رکھوں گا۔

③ میں مسلم لیگ کے اُصول، اغراض وضوابط کے ماتحت لیگ کے فیصلوں اور حکموں کی پوری تائید کروں گا اور لیگ کے پروگراموں کی کامیابی کے لئے خلوص سے کام کروں گا۔

وماتوفیقی الاباللہ

دستخط (پورانام) ممبر.....

رکنیت فارم کی اس عبارت کو اگر بغور پڑھا یا سُن لیا جائے تو کسی ناخواندہ کو بھی یہ بات سمجھ آ جائے گی کہ آل انڈیا مسلم لیگ یا قائداعظم کے پیش نظر کیا مقاصد تھے، تمام فکروں پر فکرِ اسلامی، تمام مفادوں پر مفادِ اسلام اور تمام وفاداریوں پر وفاداریٔ اسلام کو برتر، غالب اور مقدم رکھنے کا عہد کس نظریہ کا غماض ہے۔

افسوس کہ مسلم لیگ کے لئے یہ میثاقِ رکنیت ایک بھولا ہُوا سبق بن گیا، ذاتی اور سیاسی مفادات نے برتر، غالب اور مقدم حیثیت حاصل کرلی، حالانکہ قیام پاکستان نے اس عہد کو عملی شکل دینے کی راہ ہموار کردی تھی۔ مسلم لیگ بلاشبہ اس حوالے سے مجرمانہ غفلت کا شکار ہوئی ہے۔

[کالم شائع شدہ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۶ر مئی ۲۰۱۳ء]

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

حاجی شیخ ظہورالٰہی رحمہ اللہ تعالیٰ

تجارت پیشہ اور علمی خاندانوں کے لئے ایک قابلِ اتباع نمونہ

حاجی ظہورالٰہی کے بارے میں یہ مضمون اُن کی وفات کے فوراً بعد ۱۸ سال قبل، جون ۱۹۹۵ء میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس عرصے میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوچکی ہیں، بہت سے اضافے ناگزیر ہوگئے ہیں، بہت سی نئی معلومات سامنے آئی ہیں، کچھ پہلو مزید وضاحت طلب ہوگئے ہیں، جن توقعات کا اظہار کیا گیا تھا، کچھ پوری اور کچھ نقش بر آب ثابت ہوئی ہیں۔ چنانچہ اس مضمون کے آخر میں استدراک کے طور پر مزید معلومات اور تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے جس سے مقصود اصلاح اور خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں ﴿ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ ﴾ (ص ی)

علامہ احسان الٰہی ظہیر کے والد محترم حاجی شیخ ظہورالٰہی صاحب گزشتہ ماہ (جون ۱۹۹۵ء، محرم الحرام ۱۴۱۶ھ) ریاض میں، جہاں وہ اپنے صاحبزادۂ گرامی قدر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ، پروفیسر ریاض یونیورسٹی کے پاس مقیم تھے، فوت ہوگئے اور اُنہیں اپنے بیٹے علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ شہید کے پہلو میں البقیع (مدینہ منورہ) میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

بیٹے کے بعد باپ کا بھی البقیع جیسے مقام پر دفن ہونا، جہاں بکثرت صحابہ و تابعین اور جلیل القدر ائمہ و محدثین آسودۂ خواب ہیں، ایمان و عملِ صالح والی زندگی گزارنے کے بعد یقیناً ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ ایک بندۂ صالح کو عبادِ صالحین کا قرب و جوار حاصل ہو جانا، ایک بڑا شرف و فضل ہے۔ بالخصوص بُعد مکانی کے باوجود مسجدِ نبوی کے پہلو میں برزخی زندگی گزارنے کے لئے جگہ کا مل جانا، ایک کرامت سے کم نہیں۔ بلاشبہ:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

magazine.mohaddis.com

یہ ظاہری حالات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ علامہ شہید اور حاجی صاحب اُمید ہے کہ والعاقبة للمتقين والے حسن انجام سے فائز المرام ہوئے ہیں۔ برد الله مَضجعهُما وجعل الجنة مثواهما !!

حاجی ظہور الٰہی صاحب مرحوم، عالم دین نہیں تھے۔ کوئی اونچے منصب دار بھی نہیں تھے اور کوئی رئیس کبیر بھی نہیں تھے۔ ایک متوسط تاجر، خوش حال اور کھاتے پیتے، معاشرے کے ایک عام فرد تھے۔ متوسط طبقے کے ایسے افراد ہزاروں نہیں، لاکھوں کی تعداد میں ہیں، لیکن حاجی صاحب موصوف میں دو خوبیاں ایسی تھیں جس نے اُنہیں عام تجارت پیشہ افراد سے ممتاز کر دیا تھا اور اسی امتیاز کے ساتھ وہ اپنے اللہ کے حضور پہنچ گئے۔ وہ دو خوبیاں ایسی ہیں کہ وہ اگر متوسط طبقے کے تاجروں اور خاندانوں میں عام ہو جائیں تو معاشرے کی کایا پلٹ جائے، بے دینی کے سیلاب کا رُخ مڑ جائے اور بے حیائی کا بڑھتا ہوا طوفان رُک جائے یا کم از کم اس کی شدت میں نمایاں کمی ہو جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان خوبیوں کو اُجاگر کیا جائے تاکہ دوسرے لوگ بھی اُنہیں اپنائیں اور بگڑے ہوئے ماحول اور معاشرے کی اصلاح میں حاجی صاحب مرحوم کی طرح اپنا کردار ادا کریں۔

حاجی صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کی زندگی قول و عمل کے تضاد سے پاک تھی، جو زبان پر تھا، وہی دل میں اور جو دل میں ہوتا وہی زبان پر ہوتا۔ ایمان و تقویٰ کا وعظ، دوسروں کو ہی نہ کرتے، خود ان کی اپنی زندگی اور اس کے معمولات بھی ایمان و تقویٰ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ احکام و فرائض اسلام کے سختی سے پابند، اخلاص و عمل کا پیکر اور نہایت اکل کھرے انسان تھے۔ ہر جگہ اور ہر موقعے پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے اور رسم و رواج کے بڑھتے ہوئے طوفان پر کُڑھتے ہی نہیں تھے، اس کے خلاف عملی جہاد فرماتے۔ غرض ان کی زندگی، ریا، منافقت اور دو عملی سے پاک تھی۔ دین کی غیرت و حمیت کوٹ کوٹ کر ان کے اندر بھری ہوئی تھی۔ چال میں مومنانہ وقار اور تمکنت تھی اور کردار میں صحابہ جیسی پاکبازی اور سچائی، زبان ذکر الٰہی سے سرشار اور چہرہ نور الٰہی سے منور۔ إذا رؤوا ذكر الله کا پیکر حسین اور حسن سیرت وصورت کا مُرقّع جمیل.... آہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں!

اتباع سنت یا عمل بالحدیث کا جذبہ، جو پہلے اہل حدیث عوام و خواص کا نشان اور شعار تھا، آج کل یہ جذبہ سمٹ سمٹا کر مسجد کی چار دیواری تک محدود ہو گیا ہے۔ مسجد کی حد تک اہلحدیث، اہلحدیث ہے۔ اتباعِ سنّت، آمین بالجہر، رفع الیدین، مسنون صف بندی اور اسلامی وضع وغیرہ پر عمل ہو رہا ہے۔ ان مسائل پر خوب بحثیں ہو رہی ہیں، دوسروں سے مناقشات ہو رہے ہیں، لیکن مسجد سے باہر نکلنے کے بعد تجارت و کاروبار کے میدان میں، لین دین کے معاملات میں، بندوں کے حقوق و فرائض کی ادائیگی میں اور شادی بیاہ کے مواقع پر کسی اہل حدیث کو یاد نہیں ہے کہ وہ اہلحدیث ہے اور اتباعِ سنت کے تقاضوں کو بروئے کار لانا ہے، جھوٹ، فریب، ظلم وزیاتی سے اجتناب کرنا اور رسم و رواج دنیا سے دامن بچانا ہے۔ إلا من شاء الله

حاجی صاحب مرحوم اس لحاظ سے ممتاز تھے کہ وہ اہل حدیث کے امتیازی مسائل میں بھی خوب شدّت سے عمل پیرا تھے، ان کے لئے بحث و مناظرہ میں بھی سرگرم تھے بلکہ مقلدین کے لئے سیفِ بُراں تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی زندگی کے دوسرے میدانوں میں احادیث نبویہ کے متبعین کا جو امتیازی کردار ہونا چاہیے، وہ اس کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ ان کی زندگی، دینی غیرت و حمیّت سے عبارت تھی۔ بے حیائی اور بے پردگی پر مبنی رسومات جو اس وقت اہل حدیث میں بھی عام بلکہ روز افزوں ہیں، وہ اُن کے سخت خلاف تھے اور نہایت سختی سے ان پر نکیر فرماتے۔ ان کا بجا طور پر یہ خیال تھا کہ آج کل شادیاں عورتوں کے حسن و جمال، اُن کے لباس اور زیور کی نمائش گاہیں بن گئی ہیں۔ عورتیں اس طرح بن ٹھن کر اور بالکل بے پردہ ہو کر اِن تقریبات میں شرکت کرتی ہیں گویا وہ حسن، لباس اور زیورات کے مقابلے میں جا رہی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ شادیوں میں عورتوں کو شریک نہ کیا جائے، ان کی شرکت سے اسلام کی تعلیمات کی مٹی پلید ہو رہی ہے اور مسلمان عورتوں میں بے حیائی اور بے حجابی کو فروغ مل رہا ہے جس شخص کو بھی اسلام کا صحیح شعور حاصل ہے اور اُس کی دینی غیرت و حمیت بھی بیدار ہے، وہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حاجی صاحب مرحوم کے اس موقف سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ یقیناً حاجی صاحب کا موقف صحیح تھا، اسلام اور دینی حمیت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے حالات میں عورتوں کی شرکت کو ممنوع یا کم از کم پردے کی پابندی کے ساتھ مشروط کیا جائے۔

حاجی صاحب کی دوسری بڑی خوبی یہ تھی کہ اُنہوں نے ایمان و عمل کے اس مومنانہ کردار کو اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اسے اپنی اولاد میں بھی منتقل کیا اور اُنہیں دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا۔ آج کل اہل ثروت و جاہ کو تو چھوڑیئے، متوسط گھرانے کے خوش حال لوگ بھی اپنی اولاد کو دینی تعلیم سے بہرہ ور کرنے کو نہایت معیوب گردانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف انہی لوگوں کا کام ہے جو غریب ہیں، مفلس اور نادار ہیں۔ چنانچہ ان کی بڑی اکثریت تو دین سے اور اس کی تعلیمات سے ویسے ہی نابلد ہے لیکن جو افراد دین کا شعور رکھتے ہیں اور اس کے تقاضوں کا کچھ اہتمام کرتے ہیں، وہ دینی اداروں کی سرپرستی تو کرتے ہیں بلکہ دینی مدرسے قائم بھی کرتے ہیں۔ طلبائے علوم دینیہ اور علما کی خدمت کو بھی سعادت تصور کرتے ہیں، لیکن اپنی اولاد کو دین کے لئے وقف کرنے اور اُنہیں دینی علوم سے بہرہ ور کرنے کا ان کے ہاں کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کی ایک نہایت ہی خطرناک بیماری ہے۔ جب مسلمان معاشرے میں یہ بیماری نہیں آئی تھی اس وقت مسلمان معاشرے کے شرفاء خوش حال افراد اور خاندانوں میں دینی تعلیم کا چرچا اور اپنی اولاد کو دینی علوم سے آراستہ کرنے کا جذبہ عام تھا۔ اس کے نتیجے میں ایک تو یہ علوم نبوت و وحی، ایک نسل سے دوسری نسل میں اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل ہوتے رہتے تھے، جس سے یہ علوم فروغ پاتے اور نہایت آسانی سے ان کی نشوونما کا سلسلہ جاری رہتا۔ دوسرا، اس سے اِن علوم کا وقار اور احترام لوگوں کے دلوں میں قائم تھا، کیونکہ معزز گھرانے اِن کا مرکز تھے۔ ان کی خاندانی شرافت و نجابت سے اِن علوم کی قدر و منزلت بھی برقرار تھی۔ جیسے آج کل معزز گھرانے انگریزی تعلیم کو اہمیت دیتے ہیں تو انگریزی تعلیم کی اہمیت اور قدر و منزلت لوگوں کے دلوں میں ہے اور علوم دینیہ کی قرارِ واقعی قدر و منزلت سے، دین کا وقار بھی قائم تھا اور دین پر عمل کا جذبہ بھی عام۔ لیکن جب سے معاشرے کے بظاہر معزز گھرانوں نے دینی علوم سے اپنا رشتہ توڑا ہے، اس وقت سے ہی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دینی علوم کی قدر لوگوں کے دلوں سے کم یا ختم ہو گئی ہے اور اسی حساب سے دین کا وقار بھی مجروح اور متاثر ہوا ہے، اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ علما بھی، جن کا سارا وقار، دین اور دینی علوم کی وجہ سے ہی ہے ، اپنی اولاد کو مدرسوں میں پڑھانے کی بجائے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھانا یا تجارت، کاروبار سے انہیں وابستہ کرنا پسند کرتے ہیں۔

جب معزز گھرانوں کے بعد، خود علما کے دلوں سے بھی علوم نبوت کا احترام اُٹھ جائے تو اس بات کا رہا سہا وقار بھی کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟ چنانچہ دینی علوم کی بے توقیری سے، دینی علوم کا دائرہ سمٹ اور سکڑ رہا اور معاشرے سے دینی گرفت کمزور ہو رہی ہے۔ حالانکہ معزز گھرانوں سے اس کا تعلق منقطع ہو جانے کے بعد، دینی و علمی خاندانوں کی دینی و علمی روایات ہی دینی علوم کے فروغ اور دین کی نشر و اشاعت کا ذریعہ تھیں اور ہیں اور کئی نسلوں سے وہ اس میں ممتاز چلے آرہے ہیں۔ جیسے غزنوی خاندان ہے جس کی چار نسلوں نے مسلسل دینی علوم کے تحفظ و فروغ اور دینی اقدار و روایات کی سربلندی کا قابل قدر کام کیا ہے۔ آج اس کی بدولت اس خاندان اور اس کے اکابر کا احترام لاکھوں دلوں میں موجود ہے۔ لیکن آج لاکھوں دلوں کی محبت کا مرکز کوئی صاحبِ علم غزنوی نہیں، ان کے دل اظہارِ عقیدت کے لئے بے قرار ہیں لیکن وہ محرابِ علم اُنہیں نظر نہیں آرہی ہے جہاں وہ سجدہ ہائے نیاز بجا لا سکیں۔ لکھوی خاندان ہے جو کئی پشتوں سے علم و عمل کی جامعیت، دینی علوم کے فروغ و بقا اور دعوت و تبلیغ میں ممتاز چلا آرہا ہے اور اب تک وہ ممتاز ہے۔ اس کے بعض افراد اب سجدۂ سہو کرنے لگے ہیں، لیکن اُنہیں سوچنا چاہیے کہ دینی علوم سے وابستگی نے انہیں لاکھوں دلوں میں احترام و محبوبیت کا جو مقام عطا کیا ہوا ہے، اگر ان کی اولاد اس شرف سے محروم رہی تو وہ اس احترام و محبوبیت سے بھی محروم ہی رہے گی۔ دینی علم اور اس کی وجہ سے حاصل ہونے والے احترام کے مقابلے میں دنیا کا یہ چند روزہ متاعِ غرور، نعم البدل ہے یا بئس العوض؟

روپڑی خاندان کے گلِ سرسبد، مجتہد العصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی کی علمی خدمات اور ان کے برادر حافظ محمد حسین روپڑی کی تدریسی خدمات، ان کے بھتیجے حافظ عبد القادر روپڑی کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تبلیغی، دعوتی اور مناظرانہ خدمات اور ان کے برادرِ اکبر حافظ محمد اسماعیل روپڑی کی بے مثال اور سحر انگیز خطابت سے ہزاروں اور لاکھوں لوگ متاثر اور فیض یاب ہوئے ہیں۔ ان کی بدولت اس خاندان کا بھی احترام لاکھوں دلوں میں موجود ہے لیکن آج اس خاندان میں سے بھی صرف حافظ محمد حسین صاحب کے ایک صاحبزادے حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ اپنے خاندان کے علم و عمل کی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں اور اسی لئے ان کا احترام ان کے اکابر کی طرح لوگوں کے دلوں میں موجود ہے جبکہ محدث روپڑی جیسی شخصیت کی اولاد سے کوئی واقف بھی نہیں کیونکہ وہ علم و فضل کی اس روایت سے محروم ہے جو اس خاندان کا امتیاز تھا۔ [مزید اضافہ آخر میں نمبر ایک کے تحت]

اسی طرح کیلیانوالہ کا کیلانی خاندان ہے جو تین چار پشتوں سے دینی علوم سے وابستگی اور دینی اقدار و روایات کی پابندی میں ممتاز چلا آرہا ہے۔ آج بھی الحمدللہ یہ خاندان اپنے اکابر کے علم و عمل کی روایات کا حامل اور دین کی سربلندی اور اس کی نشر و اشاعت میں کوشاں ہے۔ کثّر اللہ سوادھم و شکر اللہ مساعیھم

اس طرح پاک و ہند میں اور متعدد خاندان ہیں جو کئی پشتوں سے علم و عمل اور زہد و تقوےٰ کی روایات کے امین چلے آرہے ہیں اور اس کی وجہ سے دینی حلقوں میں ان کا ایک خاص مقام اور ادب و احترام ہے، استقصا مقصود نہیں ہے۔ صرف بطورِ مثال یہ عرض کیا گیا ہے کہ دینی و علمی روایات کا تسلسل، جو ہمارے سلف کا طرۂ امتیاز تھا، آج اس گئے گزرے دور میں بھی یہ چیز عزت و احترام کا باعث ہے اور اس سے انقطاع گمنامی اور بے توقیری کا ذریعہ۔ اس لئے آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو دین کے فہم و شعور سے نوازا ہے، جو ان پر اللہ کا ایک بڑا احسان ہے کہ «من یرد اللہ به خیرًا یفقهه في الدین» (حدیثِ نبوی ﷺ) وہ اپنی اولاد کو دینی علوم کے زیور سے آراستہ کریں۔ اپنے خاندانوں میں دینی و علمی روایات قائم کریں اور پھر انہیں زندہ اور برقرار رکھنے کی سعی کریں۔ جن خاندانوں میں یہ سلسلہ قائم ہے وہ بھی اس روایت کی نہ صرف حفاظت کریں بلکہ اسے مزید مستحکم اور وسیع کریں۔

بہرحال یہ تو مقطع میں ایک سخن گسترانہ بات آگئی۔ گفتگو حاجی ظہور الٰہی صاحب کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

دوسری بڑی خوبی کی ہورہی تھی کہ اُنہوں نے معاشرے کی عام روش کے خلاف ایک متوسط کھاتے پیتے ہونے کے باوصف اپنی اولاد کو دین کے لئے وقف فرمایا۔ اُنہیں مدرسوں میں پڑھایا اور دینی علوم سے اُنہیں آراستہ کیا۔ ان کے اس جذبے اور اخلاص کو اللہ نے قبول فرمایا۔ ان کا بڑا بیٹا مدرسے کی چٹائیوں پر بیٹھ کر جب علومِ نبوت سے سرفراز ہوا تو دنیا کے اسٹیج پر علامہ احسان الٰہی ظہیر کی صورت میں نمایاں ہوا۔ زندگی کے اعتبار سے اگرچہ وہ شعلۂ مستعجل ثابت ہوئے اور ۴۲ سال کی عمر میں ہی مظلومانہ شہادت سے ہم کنار ہو کر راہ گرائے عالم بقا ہو گئے، لیکن اپنی شخصیت اور خدمات کی وجہ سے آج بھی وہ نہ صرف لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں بلکہ لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہیں، زندہ ولولوں اور جذبوں کی علامت ہیں۔ مسلکی غیرت اور حمایت کا ایک عظیم سنبل ہیں، ان کی خطابت کی معرکہ آرائیوں اور دل آویزیوں کی یاد آج بھی لوگوں کو تڑپاتی اور رُلاتی ہے اور ان کی کتابوں نے فرقِ باطلہ کی جس طرح بخیہ دری کی ہے۔ اہل علم اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ غفر اللہ له ورحمه رحمة واسعة

حاجی صاحب کے دوسرے بیٹے بھی عالم فاضل ہیں۔ ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

ڈاکٹر صاحب موصوف دینی علوم سے آراستہ ہی نہیں ہیں بلکہ ریاض یونیورسٹی میں دینی علوم کے اُستاذ اور پروفیسر ہیں، جہاں پوری دنیاے اسلام کے نوجوان ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے اور ان سے کسبِ فیض کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں پاک و ہند کے سلفی حلقوں میں ان کے درس ہوتے ہیں جن سے اُردو دان حضرات مستفید ہوتے ہیں۔ راقم کو ریاض کے قیام کے دوران اُن کے درسوں میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ لوگ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ ان میں شرکت کرتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب بھی وعظ و نصیحت کا حق خوب خوب ادا کرتے ہیں۔ ان کے اندازِ بیان میں علم و فضل کی فراوانیوں کے ساتھ جو سادگی، اخلاص اور تاثیر و برکت ہے، وہ آج کل نہایت کمیاب ہے۔ راقم نے انہیں نہایت قریب سے جب دیکھا تو اُن کے کردار کی رفعت، علم و عمل کی جامعیت، زہد و تقوٰے اور

magazine.mohaddis.com

ان کی شخصیت کی دل آویزیوں نے بہت متاثر کیا۔ وہ یقیناً عہدِ سلف کی ایک یادگار اور اسلاف کے علم و تقویٰ کی درخشندہ روایات کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔ آج کل کے اہل علم و فکر میں اخلاق و کردار کی یہ خوبیاں، یہ تواضع اور فروتنی، یہ ورع و تقوے اور اخلاص و سادگی، جس میں ڈاکٹر صاحب کو ممتاز پایا، عنقا ہیں۔ اہل ریاض کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں ڈاکٹر فضل الٰہی جیسا دینی رہنما ملا ہوا ہے جو ان کی کشتِ ایمان ہی کو سیر اب نہیں کر رہا ہے بلکہ انہیں اپنے عمل سے اخلاق و کردار کی رفعتوں سے بھی آشنا اور ہمکنار کر رہا ہے۔ بارك الله في علمه و عمله وكثر الله فينا أمثاله

ڈاکٹر صاحب موصوف جس طرح ایک مشفق، فاضل استاذ اور داعیٔ کبیر ہیں، اسی طرح ایک عظیم مصنف بھی ہیں۔ اب تک ان کی درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ ساری کتابیں عربی میں ہیں:

① التدابير الواقية من الربا في الإسلام: اس میں سُود کے مسئلے پر مفصل بحث اور ان تدابیر کا ذکر ہے جنہیں اختیار کر کے بغیر سُود کے معاشیات کا ڈھانچہ اور بینکنگ کا نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔

② التدابير الواقية من الزنا في الفقه الإسلامي: اس میں اسلام کے اُن احکام و ہدایات کا بیان ہے جن سے انسان بدکاری سے بچ سکتا ہے۔

③ حبّ النبي ﷺ و علاماته: اس میں نبی ﷺ کے ساتھ محبت کی اہمیت اور اس کی علامات کو بیان کیا گیا ہے۔

④ الحبسة، تعريفها و مشروعيتها و حكمها: احتساب کی تعریف، اس کی مشروعیت و اہمیت اور حکمتیں

⑤ تاريخ الحسبة في العصر النبوي: عہد نبوی ﷺ میں احتساب کی تاریخ

⑥ شبهات حول الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر: أمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مسئلے کی اہمیت اور اس کی بابت پیش کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ

⑦ الحرص على هداية الناس في ضوء النصوص و سير الصالحين: لوگوں کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہدایت کی حرص وخواہش اور اس کے لئے سعی وکوشش

⑧ أهمية صلوة الجماعة في ضوء النصوص وسير الصالحين: اللين والرفق، داعي إلى الله کی اہم صفت، نرمی اور شفقت وغیرہ متعدد کتب۔

یہ ساری کتابیں اپنے اپنے موضوع پر نہایت اہم اور مفید ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ کتابیں زیر ترتیب یا زیر طبع ہیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب محترم حفظہ اللہ کی شخصیت اور خدمات کا مختصر سا تذکرہ ہے جو وہ تعلیم و تربیت کے میدان میں، تبلیغ و دعوت کے محاذ پر اور تصنیف و تالیف کے شعبے میں سرانجام دے رہے ہیں۔ تینوں میدانوں یا محاذوں اور شعبوں میں ان کی خدمات نہایت مؤثر، مفید اور بہت وسیع ہیں۔ صانه الله عن الشرور والفتن [مزید اضافہ آخر میں نمبر ۲ کے تحت]

حاجی صاحب کے تیسرے بیٹے، عابد الٰہی بھی دینی علوم کے فاضل اور ریاض یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں اور ریاض میں دینی کتابوں کی نشر واشاعت اور فروخت کا کام کرتے اور دینی معاملات میں سرگرم رہتے ہیں۔ چوتھے بیٹے شکور الٰہی ہیں، جو ان کے ساتھ گوجرانوالہ میں ہی رہتے تھے اور وہیں مقیم ہیں۔ وہ بھی ماشاء اللہ دینی ولولے اور جذبے سے خوب خوب سرشار ہیں۔ اُن کے پانچویں بیٹے محبوب الٰہی حیدر آباد سندھ میں کاروبار کرتے ہیں۔ ان سے راقم کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ وہ بھی اسی سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں جو حاجی صاحب نے اپنے بیٹوں کے لئے تیار کیا تھا اور اسی ٹکسال کے گھڑے ہوئے ہیں جو حاجی صاحب مرحوم نے لگائی تھی، اس لئے وہ اپنے دیگر برادرانِ گرامی سے مختلف کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ [تازہ اضافہ آخر میں نمبر ۳ کے تحت]

حاجی صاحب مرحوم کی دوسری نسل

یہاں تک تو تذکرہ تھا، حاجی ظہور الٰہی صاحب کے صاحبزادگان والا تبار کا، اور ان کی خدمات کا جو دین کے مختلف محاذوں پر اُن کے ذریعے سے انجام پا رہی ہیں۔ یہ وہ صدقۂ جاریہ ہے جسے اولادِ صالح کی شکل میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ یقیناً یہ صدقات جاریہ حاجی صاحب مرحوم کی مغفرت اور ان کے لئے رفعِ درجات کا باعث ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حاجی صاحب کی مساعیٔ حسنہ اور تعلیم و تربیت کا یہ فیض جو ہم دیکھ رہے ہیں، اُن کی صُلبی اولاد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اب ان کی دوسری نسل یعنی پوتوں میں بھی منتقل ہو رہا ہے اور وہ بھی دینی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہو کر دین کے مجاہد اور سپاہی بن رہے ہیں۔ ڈاکٹر فضل الٰہی کے دو بچے ماشاء اللہ باپ دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ریاض یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں اور وہاں دینی علوم حاصل کر رہے ہیں ان میں سے ایک حافظ قرآن بھی ہے۔

علامہ احسان الٰہی کا صاحبزادہ عزیزم حافظ ابتسام الٰہی ظہیر الولد سرّ لابیہ کے مصداق نامور باپ کی طرح خطابت کی فطری خوبیوں سے مالا مال، داعیانہ صفات کا حامل اور تبلیغ و دعوت کے جذبے سے سرشار ہے۔ آج سے آٹھ سال قبل، جب کہ ابتسام ابھی نوعمر بھی تھا اور علم کی بلندیوں سے ناآشنا بھی۔ لیکن ۳۰ر اکتوبر ۱۹۸۷ء میں منعقدہ ایک عظیم الشان احتجاجی جلسے میں اس نے جو تقریر کی تھی، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے راقم نے اس وقت لکھا تھا:

> ”جب علامہ شہید کا نوعمر صاحبزادہ ابتسام الٰہی ظہیر اسٹیج پر نمودار ہوا تو عوام کے جذبات کی بے پناہی نے صبر و ضبط کے سارے بند توڑ دیئے۔ ہر آنکھ اشک بار ہو گئی، ہر دل تڑپ اُٹھا اور علامہ مرحوم کی یادوں نے چٹکیاں لینی شروع کر دیں۔
>
> صاحبزادے سلمہ اللہ تعالیٰ نے تقریر بھی خوب کی۔ نوعمری اور کم علمی کے باوجود وہ نہایت ولولہ انگیز اور بڑی معقول، جچے تلے الفاظ، جن میں جوش و جذبات کی ہم عنانی بھی تھی، اور ولولوں کی فراوانی بھی، عزم و حوصلہ بھی تھا اور تدبّر و دانش برہانی بھی، سکون اور ٹھہراؤ بھی تھا اور دریا کی سی روانی بھی، بادِ صبا کی سُبک خرامی بھی اور طوفان کی سی طغیانی بھی، یوں گویا صاحبزادہ الولد سرّ لابیہ کا مصداق ثابت ہوا۔ ہر دل سے صدائے تحسین بلند ہو رہی تھی اور ہر لب مصروفِ دعا تھا کہ بارِ الٰہا! اس صاحبزادے کو بھی عالم و خطیب اور دین کا بے باک سپاہی بنا۔“[1]

الحمدللہ، لوگوں کی دعائیں مقبول ہوئیں اور آج یہ نوعمر ابتسام، نوجوان خطیب کے روپ

۱ ہفت روزہ ’تنظیم اہلحدیث‘ لاہور، ۱۳ر نومبر ۱۹۸۷ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں ہمارے سامنے ہے۔ والد کی شہادت کے بعد اس نو عمر بچے نے از خود اپنے شوق سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اپنی تعلیم میں مصروف رہا اور اب وہ (غالباً) انجینئرنگ کے آخری امتحان کے مرحلے میں ہے یا شاید اس سے فارغ ہو گیا ہے۔ ایک ملاقات میں راقم کے استفسار پر اس نے بتلایا کہ اس امتحان کے بعد وہ احادیث کی کتابیں سبقاً پڑھنے کا عزم رکھتا ہے۔ راقم نے بھی تاکید کی کہ یہ علم نہایت ضروری ہے اور اس کے بغیر خطابت میں وہ رنگ اور زور پیدا نہیں ہو گا جو علامہ مرحوم کو ودیعت کیا گیا تھا۔ اس روز کی گفتگو میں ابتسام نے یہ بھی بتلایا کہ میں اپنے سب چھوٹے بھائیوں کو دینی علوم سے آراستہ کرنا چاہتا ہوں اور معتصم الٰہی عنقریب ریاض یونیورسٹی جا رہا ہے۔

علاوہ ازیں اس ملاقات میں راقم نے یہ بھی محسوس کیا کہ ابتسام کے مزاج میں تیزی اور بڑائی کی بجائے نرمی اور تواضع ہے، غصے کے بجائے بُردباری ہے۔ ہاؤ ہو کے مقابلے میں سکون اور ٹھہراؤ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جماعتی اختلافات اور دھڑے بندیوں سے بالا رہنے کا عزم و جذبہ بھی۔ علم کے ساتھ یہ ساری خوبیاں اسے ایک عظیم خطیب، نامور عالم اور داعیٔ کبیر بنا سکتی ہیں اور یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ وہ اللہ کے فضل و کرم سے اسی صراطِ مستقیم کی طرف گامزن ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا حامی اور مددگار ہے۔ [مزید اضافہ کے لئے آخر میں نمبر ۴ کے تحت]

اصل مقصد اور حاصل گفتگو

حاجی ظہور الٰہی صاحب کے حوالے سے ان تمام باتوں کی تفصیل سے، اللہ جانتا ہے کسی صلے تمنا یا ستائش کی آرزو نہیں ہے، نہ کسی کی تعریف و توصیف ہی مقصود ہے۔ اصل مقصد صرف اسی پہلو کو اُجاگر کرنا ہے کہ شیخ ظہور الٰہی مرحوم نے تجارت پیشہ ہونے کے باوجود اپنی اولاد کو تجارت میں اپنا معاون اور شریک بنانے کی بجائے اُنہیں دین کا خادم اور سپاہی بنانا پسند کیا تو اللہ نے ان کے اس جذبے اور سعی کو اس طرح قبول فرمایا کہ آج وہ اُمید ہے کہ اللہ کے ہاں بھی سرخرو ہوں گے۔ اور ان کی اولاد اور اب پوتے بھی عزت و احترام کے مقام بلند پر فائز اور عظمت و شہرت سے ہم کنار ہیں۔ ان کے ایثار و اخلاص نے جماعت کو ایک نیا خاندان دیا ہے،

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جسے پہلے کوئی جانتا بھی نہیں تھا لیکن آج وہ علم و عمل کی روایات کا حامل ہے اور لاکھوں دلوں کی محبت و عقیدت کا مرجع و مرکز، یہ نوجوان ابتسام جہاں بھی جاتا ہے نوجوان اس کے لئے دیدہ ودل فرش راہ کرتے ہیں، بوڑھے اس کی بلائیں لیتے اور اسے دعائیں دیتے ہیں اور لوگ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تابانہ دوڑتے ہیں۔ عظمت و محبوبیت کا یہ مقام، جو کسی لکھ پتی، ارب پتی یا اس کے بیٹے کو حاصل نہیں۔ حافظ ظہور الٰہی کے بیٹوں اور پوتوں کو محض اس لئے حاصل ہے کہ وہ دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کے محاذ پر سرگرم ہیں اور آدم جی اور داؤد جی یا ٹاٹا، برلا بننے کی بجائے اُنہوں نے دین کا سپاہی بننا پسند کیا ہے۔ آج نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق من کان للہ، کان اللہ لہ (جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ بھی اس کا ہو جاتا ہے) اللہ کی مدد ان کے شامل حال ہے۔ اہل تجارت و کاروبار کے لئے اس میں عبرت و موعظت بھی ہے اور قابل تقلید نمونہ بھی۔ کاش انہیں بھی حاجی ظہور الٰہی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی ہو۔[1] و یرحم اللہ عبدًا قال آمینا [مزید اضافہ کے لئے آخر میں نمبر ۵ کے تحت]

استدراکات

(۱) روپڑی خاندان کے عظیم اسلاف کے اخلاف میں سے بتلایا گیا تھا کہ صرف حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ (حافظ محمد حسین روپڑی کے صاحبزادے) اپنے خاندان کی علمی روایات کا علم بلند کئے ہوئے ہیں، باقی گم نامی کی نذر ہو گئے کیونکہ وہ علم و عمل کی ان روایات سے وابستہ نہیں رہے جس نے اس خاندان کو عظمت و وقار کا ایک خاص مقام عطا کیا تھا۔ حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب کے چار صاحبزادے ہیں: حافظ حسین ازہر، حافظ حسن مدنی، حافظ انس مدنی اور حافظ حمزہ مدنی۔ چاروں نے باقاعدہ درسِ نظامی کی مکمل تعلیم حاصل کی ہے اور اسلامی علوم اور دینی اداروں کی خدمت کے ذریعے ماشاء اللہ خاندان کی علمی و دینی روایات کے امین بن گئے ہیں۔ سلّمهم الله تعالىٰ وبارك في علمهم وعملهم

حافظ صاحب موصوف کے چاروں بیٹے علم قدیم و علم جدید کا حسین امتزاج ہیں اور سب

[1] ہفت روزہ 'الاعتصام' لاہور، ۱۴ جولائی ۱۹۹۵ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

نے اہم موضوعات میں پی ایچ ڈی کر کے عصری جامعات سے ڈاکٹریٹ کی اسناد بھی حاصل کر لی ہیں۔ حافظ حسن مدنی، جو پہلے جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) میں مدیر التعلیم اور ماہنامہ 'محدث' کے مدیر ہی تھے، اب وہ اُس کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی میں علوم اسلامیہ کے اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حال ہی میں اُنہیں کتاب وسنت کی اشاعت کے عالمی ادارے 'دار السلام انٹرنیشنل' کے زیر اہتمام قائم ہونے والی اہل علم وقلم کی تنظیم 'اہل حدیث رائٹرز فورم' کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔ محدث میں ان کے مضامین ومقالات کئی برسوں سے شائع ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی، قراءاتِ عشرہ کے نہایت ممتاز قاری ہیں اور جامعہ لاہور الاسلامیہ کی البیت العتیق برانچ کے مدیر التعلیم ہیں، ہر سال کویت میں رمضان المبارک کے قیام اللیل میں اہل عرب کو اپنی خوب صورت آواز میں مسحور ومحظوظ کرتے ہیں، عشرۃ قراءات میں اُن کی آواز میں مکمل قرآن، کویت ومصر میں ریکارڈ ہو چکے ہیں۔ حافظ انس مدنی، مدینہ یونیورسٹی کے فاضل، تفسیر قرآن اور علم الفرائض (علم وراثت) میں خصوصی مہارت کے حامل ہیں اور جامعہ مذکور میں استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو زبان میں اہل حدیث کی سب سے بڑی ویب سائٹ 'کتاب وسنت' کے مدیر ہیں۔ اُنہوں نے بھی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر لی ہے۔ گویا یہ خانوادۂ علم وعمل... ؎ایں خانہ ہمہ آفتاب است..... کا مصداق ہے۔ کثّر اللہ أمثالھم فینا

حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب کی چھ بیٹیاں ہیں۔ سب کی سب حافظات اور دینی تعلیم سے آراستہ ہیں، ان میں سے ایک ڈاکٹر حافظہ مریم مدنی نے غالباً درایتِ تفسیری کے نہایت اہم موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی لی ہے۔ مزید دو بیٹیاں بھی ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ حافظ صاحب کے داماد بھی علم وتحقیق اور دعوت وخطابت میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں جن میں ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، ڈاکٹر خالد حمید، عبد القوی لقمان کیلانی اور حافظ طاہر اسلام عسکری نمایاں ہیں۔ یوں اس منزلِ علم وعمل کے حافظ عبد الرحمٰن مدنی پہلے اکیلے ہی راہی تھے، اب اُن کے صاحبزادگان والاتبار اور بیٹیاں واصہار بھی ان کے رازداں اور اس وادیٔ پر خار کی آبلہ پائی میں اُن کے ہمدم وہم ساز اور ان کے مددگار ہیں۔ حفظھم اللہ تعالیٰ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

برادرم حافظ مدنی صاحب کی اولاد کی تعلیم وتربیت میں اُن کی والدہ محترمہ رضیہ مدنی کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہو گا۔ محترمہ نہایت نیک خاتون ہیں، تین دہائیوں سے خواتین کو قرآن کریم اور حدیثِ نبوی کی تعلیم دینے میں مصروفِ عمل ہیں، آپ سے ہزاروں خواتین تعلیم حاصل کرکے، دین کی اس روشنی کو آگے پھیلا رہی ہیں۔ آپ صاحبِ تیسیر القرآن مولانا عبد الرحمٰن کیلانی کی دوسری بیٹی ہیں، اور لاہور میں خواتین کے درجنوں تعلیمی مراکز آپ کے زیر نگرانی چل رہے ہیں۔

مولانا محمد حسین روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پوتے (حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ کے بھتیجے) حافظ عبدالحفیظ روپڑی بھی دنیوی علوم سے آراستہ ہونے کے بعد روپڑی خاندان کی علمی ودینی روایات کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ کراچی میں اُن کے والد حافظ عبداللہ حسین روپڑی مرحوم نے جامعہ عمر بن عبدالعزیز کے نام سے ڈیفنس کراچی میں ایک دینی ادارہ قائم فرمایا تھا۔ اب مولانا حافظ عبدالحفیظ حفظہ اللہ اِس کے مدیر ومنتظم اور والد مرحوم کے لگائے ہوئے پودے کو اپنے خونِ جگر سے سینچ رہے ہیں۔ خود بھی موصوف تحقیقی وعلمی ذوق سے بہرہ ور ہیں، علاوہ ازیں علما کے نہایت قدر دان اور ان کے خوانِ علم کی ریزہ چینی میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اُن کے ساتھ بھی جماعت کی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ نے اُن کو مالی وسائل سے بھی نوازا ہے علم کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہوا ہے۔ نیز اپنے برادران گرامی قدر کا مالی تعاون بھی اُنہیں حاصل ہے، علاوہ ازیں وہ خاندان کے علم وعمل کی روایات کو آگے بڑھانے کا جذبۂ فراواں بھی رکھتے ہیں۔ وفقہ اللہ

ابھی حال ہی میں اُنہوں نے دو میدانوں میں نہایت اہم علمی پیش رفت کی ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو کامیاب فرمائے۔ ایک، اپنے ادارے میں یک سالہ دورۂ تخصص شروع کیا ہے اور دوسرا دارالافتا کے لئے مستند علما کا ایک بورڈ بنا دیا ہے۔

ایک حسرت اور آرزو

جب مولانا محمد حسین روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگانِ گرامی قدر اور ذی شان پوتوں کا ذکر نوکِ قلم پر آ ہی گیا ہے تو ایک حسرت اور آرزو کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہے کہ مولانا حسین روپڑی کے دو صاحبزادگان اور بھی ہیں: حافظ عبد الماجد (کراچی) اور حافظ عبد الوحید روپڑی (لاہور) حفظہما اللہ تعالیٰ، یہ دونوں بھی ماشاء اللہ خاندان کے علم و عمل اور دینی اَقدار و روایات کے حامل اور پابند ہیں اور دنیوی وسائل سے بھی خوب مالا مال ہیں۔ وہ ان خداداد وسائل فراواں سے دین اور علوم دینیہ کی خدمت اور نشر و اشاعت کا نہایت قابل قدر کام سرانجام دے سکتے ہیں لیکن افسوس وہ اس میں کوتاہ دست واقع ہوئے ہیں بلکہ حافظ عبد الوحید روپڑی صاحب تو جو مالی تعاون جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) سے کیا کرتے تھے، بھائیوں کے اختلافات کی وجہ سے انہوں نے مسلسل کئی سالوں سے اس کا سلسلہ موقوف کیا ہوا ہے۔ کاش ایسا نہ ہوتا!! دینی ادارے اللہ کے توکل پر ہی چلتے ہیں اور مذکورہ عدم تعاون کے باوجود جامعہ رحمانیہ حسبِ سابق چل رہا ہے بلکہ شاید اُس وقت سے زیادہ وسیع پیمانے پر چل رہا ہے جب اس کو حافظ عبد الوحید صاحب کی طرف سے زکوٰۃ کی ایک خطیر رقم ملتی تھی اور اس کے نظم و انصرام میں وہ خود بھی شریک تھے۔

یہ بات اُن کے لئے قابل غور ہونی چاہیے کہ جائداد اور کاروباری اختلافات کی وجہ سے اُنہوں نے اپنے خاندان کے ایک دینی و علمی ادارے سے، جس کے قیام و بقا میں اُن کا بھی معتدبہ حصہ ہے، عدم تعاون کی پالیسی کو جاری رکھنے کا کوئی معقول جواز ہے؟ حسرت یہی ہے کہ کاش ایسا نہ ہوتا۔ اخلاص کا تقاضا تو یہ تھا اور ہے کہ وہ اختلافات کے باوجود اس کو اپنا ہی ادارہ سمجھتے ہوئے اس تعاون سے دست کش نہ ہوتے جو وہ سالہا سال سے اس کے ساتھ کرتے چلے آرہے تھے۔ یہ انہی کے خاندان کا جاری کردہ چشمۂ فیض ہے جس سے تشنگانِ علوم نبوت سیراب ہو رہے ہیں اور جو اُن کے خاندان کی نیک نامی کا باعث اور عند اللہ سرخ روئی کا ذریعہ ہے۔ اس حسرت کے ساتھ آرزو یہی ہے کہ حافظ صاحب موصوف اپنے موجودہ رویّے پر نظر ثانی فرمائیں اور دونوں کے چھوٹے بھائی حافظ عبد الماجد صاحب (ایم ڈی حفاظ سیم لیس پائپ انڈسٹریز) بھی اس کارِ خیر میں بایں طور حصہ لیں کہ وہ خود بھی اپنے مالی وسائل کے مطابق خاندان کی علمی و دینی روایات کو آگے بڑھانے میں سرگرمی سے حصہ لیں اور دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے قریب کرکے اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ جامعہ اور اس کے ملحقہ اداروں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کے ساتھ حسبِ سابق غیر مشروط تعاون کریں۔ اس وقت وہ طوفانوں سے کھیلنے والوں کا ساحل پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہیں اور بے دینی کے سیلاب کے آگے بند باندھنے والے اور الحاد کے جھکڑوں سے نبرد آزما زبانِ حال سے اُن کی بابت کہہ رہے ہیں ...

ع کجا دانند حالِ ما سبک ساران ساحلہا

وفّقھما اللہ وإیانا لما یحبّ ویرضٰی!

(۲) ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ کی بابت جو کچھ عرض کیا گیا تھا، وہ اس وقت ریاض (سعودی عرب) میں تھے، اسی حوالے سے ساری گفتگو ہوئی تھی۔ اس کے بعد موصوف مستقل طور پر پاکستان آ گئے اور کئی سال تک اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں بحیثیتِ پروفیسر تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اب ریٹائرمنٹ کے بعد اُن کا زیادہ وقت تصنیف و تالیف میں گزرتا ہے اور ساتھ ساتھ الریاض کی طرح دروس و خطابات کے ذریعے سے تبلیغ و دعوت میں بھی خوب سرگرم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔

پہلے اُن کی جن کتابوں کی فہرست دی گئی تھی، وہ اس وقت بیشتر عربی میں تھیں، اب خود موصوف نے اُن میں سے متعدد کتابوں کو اُردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے اور مزید کئی نئی کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ یہ سب کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے کے بعد مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ النور کے نام سے ان کا اپنا ادارہ انہیں شائع کر رہا ہے اور یہ کتب مکتبہ قدوسیہ لاہور سے بآسانی دستیاب ہیں۔ ڈاکٹر موصوف حفظہ اللہ کی کتابیں اُن کے دروس و خطابات کی طرح نہایت علمی و تحقیقی ہیں، احادیث کی تحقیق و تخریج کا خصوصی اہتمام ہے۔ یہ کتابیں عوام ہی کے لئے نہیں، خواص (اہل علم) کے لئے بھی نہایت مفید ہیں۔

حاجی ظہور الٰہی مرحوم کا مذکورہ کردار، بیٹے کی زبانی

ڈاکٹر صاحب نے چند دن قبل اپنے والد مرحوم کے اس خصوصی کردار پر مبنی، جس کا ذکر راقم نے خصوصی طور پر کیا تھا، اپنے ساتھ بیتا ہوا واقعہ راقم کو سنایا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: جب میں نے بی اے کا امتحان نہایت اعلیٰ نمبروں کے ساتھ پاس کر لیا تو والد محترم نے پوچھا: فضل الٰہی! اب کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں سی ایس پی کا امتحان دوں گا۔ والد محترم نے کہا: نہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میرا حکم تو یہ ہے کہ جامعہ محمدیہ میں داخل ہو کر دین کا علم حاصل کرو۔ میں نے انکار کیا اور اُنہوں نے اپنی رائے پر اصرار جاری رکھا۔ لیکن میں انکار ہی کرتا رہا، بالآخر فرمایا: فضل الٰہی! سی ایس پی افسر بن کر تمہیں جتنی تنخواہ ملے گی، وہ میں تمہیں دے دیا کروں گا لیکن تم دین کے عالم ہی بنو۔ لیکن میں پھر بھی آمادہ نہیں ہوا، اور سی ایس پی میں داخلے کے لئے انٹرویو کے لئے لاہور آگیا، اس انٹرویو میں بھی میں نہایت ممتاز نمبروں کے ساتھ پاس ہو گیا اور داخلے کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ اس کامیابی کے ساتھ جب میں واپس گھر (گوجرانوالہ) جارہا تھا تو بس میں اللہ نے میرا ذہن یک دم بدل دیا اور میں نے واپس جا کر جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں داخلہ لے لیا۔

میں ڈاکٹر صاحب کی زبانی یہ واقعہ سن کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ حیرانی اسی بات کی تھی کہ اللہ نے حاجی صاحب کے اندر اپنی اولاد کو دین کا خادم بنانے کی کس طرح لگن اور تڑپ پیدا کر دی تھی اور خوشی اس بات کی کہ راقم نے ان کے جس کردار کو نمایاں کیا ہے، اس واقعے سے اس کی مزید تائید ہو گئی ہے۔

آج فضل الٰہی صاحب اگر ایک اعلیٰ افسر بنے ہوتے تو دنیوی مراعات سے تو یقیناً وہ بہرہ ور ہوتے لیکن گم نامی ان کا مقدر ہوتی۔ بے شمار افسرانِ اعلیٰ ہیں لیکن اُن کو کون جانتا ہے؟ لیکن جب اس فضل الٰہی نے والد صاحب کی نیک خواہش کو جامۂ عمل پہناتے ہوئے مدرسے کی چٹائیوں پر بیٹھ کر دین کا علم حاصل کر لیا تو وہ ڈاکٹر فضل الٰہی بن کر علم و عمل کا آفتاب بنا ہوا ہے جس کی ضیا پاشیوں سے عرب و عجم کے بے شمار لوگ اکتسابِ فیض کر رہے ہیں، ایک مینارۂ علم ہے جس کی کرنوں سے دنیا کا کوچہ کوچہ، قریہ قریہ، منور ہو رہا ہے، علم و عمل کا ایک چشمۂ صافی ہے جس سے علما بھی سیر اب ہو رہے ہیں اور تشنۂ عمل بھی اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں، ورع و تقویٰ کا ایک سنگ میل ہے جس سے گم گشتگان بادیہ ضلالت راہ یاب ہو رہے ہیں اور عہدِ سلف کی ایک یادگار ہے جس کے دیکھنے کو اب آنکھیں ترستیاں ہیں۔ متّعنا الله بطول حياته وبارك في مساعيه و جهوده

مذکورہ مضمون کی تحریر کے وقت ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کے دونوں بیٹے ریاض یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے، اب وہ بھی پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں اور نامور باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علم و

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عمل کی مشعلیں فروزوں کئے ہوئے ہیں جن سے جہالت اور شرک وبدعت کی تاریکیاں دور اور توحید وسنت کے چراغ روشن ہو رہے ہیں۔ سلمهما الله تعالىٰ

(۳) حاجی ظہور الٰہی صاحب کے بیٹے محبوب الٰہی صاحب کی بابت عرض کیا گیا تھا کہ راقم اُن کی زیارت وملاقات کے شرف سے محروم ہے (اور یہ محرومی تاحال قائم ہے) لیکن وہ بھی اسی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں جو حاجی صاحب مرحوم نے اپنے بیٹوں کے لئے تیار کیا تھا۔ یہ خیال صحیح ثابت ہوا اور وہ حیدر آباد سے گوجرانوالہ آگئے ہیں اور کاروبار کر رہے ہیں۔ جس میں اب اُن کے بیٹے بھی شریک ہیں لیکن الحمد للہ اُنہوں نے بھی حاجی صاحب مرحوم کا بیٹا ہونے کا ثبوت دے دیا ہے (ایسا بیٹا جیسا وہ چاہتے تھے) اور ماشاء اللہ محبوب الٰہی کا ایک بیٹا، فرمان الٰہی، علومِ قرآن و حدیث کے زیور سے آراستہ ہو کر دعوت و تبلیغ کے اسی قافلے کے ہم رکاب ہے جو حاجی صاحب کی مخلصانہ کوششوں سے انہی کے خاندان کے اصحاب علم و فضل پر مشتمل ہے۔ راقم کو اس عزیز (فرمان الٰہی) کی ایک تقریر سننے کا اتفاق ہوا، جسے سن کر بے انتہا خوشی ہوئی، تقریر میں اس جوش وولولے کی فراوانی تو نہ تھی جو ان کے عم محترم علامہ احسان الٰہی ظہیر کی خطابت کا طرۂ امتیاز تھا، لیکن وہ اخلاص، سادگی اور تاثیر یقیناً تھی جو ان کے دوسرے عم گرامی قدر محترم ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ سلّمہ اللہ

حاجی صاحب مرحوم کے ایک بیٹے شکور الٰہی تھے جو اس وقت زندہ تھے جب مضمون لکھا گیا تھا، اب وہ اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔ غفر الله له ورحمه... ان کی تعلیم کیا تھی؟ راقم اس کی تفصیل سے بے خبر ہے، غالباً والد مرحوم ہی کے ساتھ سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ میں رہائش پذیر تھے، راقم کی ان سے ملاقات رہی ہے، توحید وسنت کی غیرت ان کے اندر بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، ایمانی غیرت کے اسی پیکر میں ڈھلے ہوئے تھے جو حاجی صاحب نے اپنے بیٹوں کے لئے تیار کیا تھا اور وہ خود بھی اس کا ایک حسین مرقع تھے۔

(۴) حاجی صاحب مرحوم پر جب مضمون لکھا گیا تھا، حافظ ابتسام الٰہی ظہیر، انجینئرنگ میں زیر تعلیم تھے اور سبقاً سبقاً احادیث پڑھنے کا اور اپنے چھوٹے بھائیوں کو بھی دینی علوم سے آراستہ کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ بلا شبہ ایسا ہی ہوا اور ماشاء اللہ حافظ ہشام الٰہی اور معتصم الٰہی بھی علوم

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جدیدہ کے ساتھ علوم دینیہ سے بھی بہرہ ور ہیں، ان کی تقاریر سننے کا تو راقم کو موقعہ نہیں ملا، لیکن جن کو اس کا موقع ملا ہے، اُنہوں نے ان کی تقریری صلاحیتوں کی تعریف کی ہے اور اس کی بابت بہت اچھے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور ان کو دین اور مسلک کی خدمت کی مزید توفیق سے نوازے۔ البتہ حافظ ابتسام الٰہی ظہیر کی بابت اس وقت ان کی صلاحیتوں اور عزائم کے بارے میں جن اچھے جذبات اور توقعات کا اظہار کیا گیا تھا، افسوس وہ نقش بر آب اور ؏.. جو دیکھا خواب تھا، جو سنا افسانہ تھا کی مصداق ثابت ہوئیں۔ کاش ایسا نہ ہوتا لیکن ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن قضاوقدر کے فیصلوں کو کون ٹال سکتا ہے؟ تاہم ہم جیسے جماعت کے بے شمار ہم دردوں اور مسلک کے خادموں کے لئے یہ المیہ نہایت روح فرسا اور اعصاب شکن ہے۔ سالہا سال پہلے جب اس کرب ناک المیے کا آغاز نہیں ہوا تھا لیکن حالات و آثار اس طوفان کی نشاندہی کر رہے تھے، ان ایام میں ایک دو مرتبہ عزیز گرامی سے ملاقات ہوئی، راقم نے ہر مرتبہ اُن کو یہی سمجھایا کہ وہ نوجوانوں کے نرغے میں اور پرستاروں کے جھرمٹ میں پھنس کر کوئی غلط قدم نہ اُٹھائے کہ ؏ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

اُنہوں نے ہر مرتبہ یہی یقین دلایا کہ ایسا نہیں ہوگا، لیکن جو ہونا تھا، وہ ہو کر ہی رہا۔ پہلے وہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کا فرزندِ گرامی تھا، ملت کے مقدر کا ستارہ تھا، ہر اہل حدیث کی آنکھوں کا تارا تھا، ان کے روشن مستقبل کی اُمیدوں کا مرکز تھا۔ لیکن افسوس اُمیدوں کے یہ شیش محل چکنا چور ہوگئے، تمام حسین خواب بکھر گئے اور تب سے پوری جماعت ایک نہایت کرب ناک اذیت سے دوچار ہے۔ جماعت کے متعدد مخلصین نے اس صورتِ حال کے خاتمے کے لئے مختلف کوششیں کیں لیکن کوئی حل نہیں نکل سکا۔ اس میں قصور کس کا ہے؟ یا کس کا زیادہ اور کس کا کم ہے؟ اس بحث میں پڑے بغیر راقم جماعت کا ایک ادنیٰ کارکن اور مسلک کا ایک خادم ہونے کے ناطے دونوں فریقوں سے مخلصانہ اور ہم دردانہ گزارش کرتا ہے کہ وہ اس کو انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنائیں بلکہ جماعت اور مسلک کے وسیع تر مفاد میں مفاہمت اور قربت کا راستہ اختیار کریں، ایثار و قربانی کا راستہ اپنائیں اور من تواضع للہ کو شعار بنا کر رفعہ اللہ پر یقین رکھیں۔

عہدہ و منصب، دنیا کی زندگی کی طرح، فانی اور عارضی چیزیں ہیں، علاوہ ازیں یہ عزت

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ومرتبت کی پائیدار بنیاد بھی نہیں۔ اصل عزت واحترام وہ ہے جو لوگوں کے دلوں میں ہو اور یہ مقام بلند علم و فضل کی فراوانی اور بے لوث خدمت سے حاصل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب حفظہ اللہ (حافظ ابتسام الٰہی کے عم گرامی قدر) ان کے پاس کون سا جماعتی عہدہ ہے؟ لیکن اپنے علم و فضل، رفعتِ کردار اور اپنی گراں قدر خدماتِ جلیلہ کی وجہ سے ان کی عظمت مسلّم اور ہر اہل حدیث کے دل میں ان کے لئے احترام کے بے پناہ جذبات ہیں۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر سلّمہ اللہ اب نوجوان تو نہیں، تاہم ابھی جواں، عزائم جوان ہیں، علم وخطابت کی اچھی صلاحیتوں کے حامل ہیں، وہ اپنے مخصوص حلقۂ یاراں سے نکل کر اب بھی جماعتی دھارے میں شامل ہو جائیں تو عزت و وقار کی وہ بلندیاں ان کی منتظر ہیں جو مخلص اور بے لوث لوگوں کا مقدر ہوتی ہیں، اہل حدیث عوام وخواص ان کے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ وہ عہدہ و منصب سے بے نیاز ہو کر فرزندِ جماعت بن جائیں اور جو جماعت کا ہو جائے تو جماعت بھی بالآخر اس کو سر آنکھوں پر بٹھا لیتی ہے اور اس کو وہ مقام دینے پر مجبور ہو جاتی ہے جس کا وہ اپنی صلاحیتوں اور خدمات کی بنیاد پر اہل ہوتا ہے۔ وفّقه الله تعالى وإيانا لما يحب و يرضٰى (اضافہ جات رقم کرنے کی تاریخ: ۲۷/جون ۲۰۱۳ء)

(۵) **بعض اور اکابر کی تربیت کے اثرات ونتائج:** [نوٹ: ذیل کا مختصر مضمون بھی حاجی ظہور الٰہی مرحوم کی وفات پر لکھے گئے مضمون کے تتمہ کے طور پر ۱۹۹۵ء ہی میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس میں بھی حاجی صاحب مرحوم کی طرح بعض اکابر کی تربیت واثرات کا مختصر تذکرہ ہے] پروفیسر حافظ عبداللہ صاحب، جن کی وفات چند سال قبل ہی ہوئی ہے۔ ان کی زندگی اگرچہ کالج میں لیکچر دیتے ہوئے ہی گزری ہے۔ لیکن دعوت و تبلیغ کا جو جذبہ کوٹ کوٹ کر ان کے اندر بھرا ہوا تھا، وہ اُنہیں ایک پل آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے تعلیمی میدان میں نوجوانوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کی جو عمل اور شکل وصورت میں اسلاف کی پیکر اور علم وفکر کے اعتبار سے سلفی مسلک و منہج کی نمائندہ و ترجمان ہے۔ علاوہ ازیں خطباتِ جمعہ اور دیگر عوامی تقاریر کے ذریعے سے عوام کے بھی ایک بہت بڑے طبقے کو متاثر کیا اور اُنہیں شرک وبدعت کی تاریکیوں سے نکال کر توحید وسنت کی روشنی عطا کی اور آج وہ الحمدللہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اسی طرح اُنہوں نے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا بھی خوب خوب اہتمام کیا اور اُنہیں دنیوی علوم کے ساتھ دینی علوم سے بھی آراستہ کیا۔ چنانچہ ان کے دو بیٹے مولانا پروفیسر عبد الرحمٰن مکی حفظہ اللہ اور پروفیسر حافظ عبد الحنان حفظہ اللہ نہ صرف جدید وقدیم علوم کا حسین امتزاج ہیں بلکہ زبردست مبلغ، شعلہ نوا مقرر اور داعیٔ کبیر ہیں اور اللہ کی توفیق سے مرحوم باپ کے تبلیغی مشن اور دعوتی مقاصد کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حافظ صاحب کی ان کوششوں کے نتیجے میں اُن کی وفات سے ان کی مسندِ رُشد وہدایت اُجڑی نہیں، جیسا کہ بہت سے علما کے ساتھ یہ حادثۂ الیمہ ہوا ہے، بلکہ وہ نہ صرف قائم ہے بلکہ اس کا فیض جاری بلکہ روز افزوں ہے۔

پروفیسر حافظ محمد سعید حفظہ اللہ، جو حافظ عبد اللہ صاحب مرحوم کے خواہر زادے اور داماد بھی ہیں، ان ہی کے حُسن تربیت کا شاہکار ہیں۔ ان کے دست وبازو پروفیسر ظفر اقبال بھی حافظ صاحب بہاولپوری کے خوانِ علم کے خوشہ چین اور انہی کے تربیت کدے کے فیض یافتگان میں سے ہیں۔ اُن کی جہد ومساعی کا دائرہ تبلیغ دعوت اور تعلیم وتربیت سے لے کر حرب وضرب کے میدانوں تک وسیع ہے، یہ سلسلے بھی وسعت پذیر بلکہ عالم گیر ہیں۔

ایسے ہی مولانا حافظ عبد الغفور جہلمی ایک درویش منش عالم تھے۔ اُنہوں نے عمر کے آخری دور میں جہلم میں دعوت وتبلیغ کے علاوہ دینی مدارس ومساجد اور شفاخانوں کی تعمیر کا جو عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا، وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔ یہ عمارات اور کارنامے جماعت اہل حدیث کا سرمایۂ افتخار ہیں۔ لیکن حافظ صاحب مرحوم کا بھی دوسرا بڑا عظیم کام یہ ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ع سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا... اس لئے اُنہوں نے اپنی اولاد کو بھی دینی علوم سے آراستہ کیا اور اپنی مسند علم وعمل کا اُنہیں جانشین بنایا۔ آج الحمد للہ، ان صاحبزادگانِ گرامی قدر کی مساعی، توجہ اور حُسن انتظام سے یہ ادارے مصروفِ عمل ہیں اور مردوں ہی میں علم کی روشنی نہیں پھیلا رہے، بلکہ عورتوں کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کررہے ہیں۔ علاوہ ازیں تصنیف وتالیف کے ذریعے سے بھی مسلکِ سلف کی خدمت اور اس کی نشر واشاعت کررہے ہیں نیز عوام کی روحانی بیماریوں کے علاج کے ساتھ، ان کی جسمانی تکالیف کا ازالہ بھی ان کے پروگرام کا ایک حصہ ہے۔ بارك الله لهم وعافاهم

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مولانا محمد یوسف انور[1]

چند بھولی بسری یادیں

قصبہ پٹی (انڈیا)

اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے وقت متحدہ ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع لاہور کے متعلق قیاس آرائیاں یہی تھیں کہ یہ سارا ضلع پاکستان میں شامل ہو گا لیکن ہوا یہ کہ ضلع کی تحصیل قصور کے چار تھانے: کھیم کرن، گھڑیالہ، ولٹوعہ اور پٹی شرقی پنجاب میں شامل کر دیے گئے۔ ان تھانوں میں سے 'پٹّی' ایک بڑا بارونق قصبہ تھا، آبادی اور پھیلاؤ کے لحاظ سے بھی وسعت رکھتا تھا، پرانے اور نئے شہر کے دو بڑے بازار کاروباری مراکز تھے۔ اس قصبہ کے قدیمی آباد کار مغلیہ خاندان کے لوگ تھے اس طرح پٹی کو مغلوں کی پٹی بھی کہا جاتا تھا۔

ہمارے فاضل اور محقق دوست مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے اپنی تازہ تصنیف 'برصغیر میں اہل حدیث کی سرگذشت' میں پٹی کے ایک دینی مدرسہ محمدیہ کا مختصراً ساذکر کیا ہے۔ مدرسہ کے اساتذۂ گرامی منزلت مولانا عبدالرحمٰن لکھوی، مولانا ہدایت اللہ ندوی اور مہتمم مولانا محمد علی قصوری تھے۔ بچپن میں ان سطور کے راقم کو ان حضرات کی مجالس اور زیارت کی سعادت حاصل ہے کیونکہ یہ مدرسہ ہمارے ہی محلہ مومن آباد کی وسیع و عریض مسجد میں قائم تھا۔ مدرسہ کے نگران و منتظمین میں مولانا محمد یحییٰ انصاری، اُن کے چھوٹے بھائی میاں محمد عبداللہ انصاری، میرے والد اور کچھ دیگر صلحا تھے۔

بھٹی صاحب نے دوسرے مدارس کا ذکر نہیں کیا، شاید ان کے علم میں نہ تھے۔ یہی وجہ ہے

[1] نائب امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث، پاکستان

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

کہ وہ اپنی تصانیف میں اکثر توجہ دلاتے ہیں کہ ایک شخص کہاں تک معلومات فراہم کر سکتا ہے جبکہ ہمارے اسلاف کی دینی و اصلاحی اور دعوت و ارشاد کی خدمات کا دائرہ کار از حد وسیع ہے، بھٹی صاحب کی اسی ترغیب سے متذکرہ سطور تحریر میں لانے کا داعیہ پیدا ہوا۔

پیارے فاضل دوست جناب ڈاکٹر بہاؤالدین مقیم برطانیہ جو تحریکِ ختم نبوت اور تاریخ اہل حدیث بڑی جانفشانی سے مرتب فرما رہے ہیں، اُنہوں نے بھی فون پر مجھے توجہ دلائی کہ آپ پٹی کے رہنے والے ہیں جو بڑا مردم خیز شہر تھا، اس کے بارے میں کچھ تو لکھیں۔ بہر کیف ڈاکٹر صاحب کا فرمان بھی سر تسلیم خم کرنے کے مترادف تھا، لیکن یہ عاجز تقسیم ملک کے وقت بچپن اور نوعمری میں تھا مگر والدِ گرامی کی علما سے محبت و شغف اور ہمارے غریب خانہ پر اُن کا آنا جانا تقسیم ملک سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ایک عرصہ تک رہا جن کی صحبت و ملاقاتیں میرے لئے متاعِ عزیز ہیں اور اس دور کی بھولی بسری یادیں ذہن میں تازہ کر کے سپردِ قلم کر دیتا ہوں۔

عرض کیا جارہا تھا کہ مدرسہ محمدیہ کے علاوہ بھی پٹی میں دینی مدارس تھے جن میں سے پرانے شہر کی جامع مسجد اہل حدیث میں قائم مدرسہ اعلیٰ سطح پر تھا جس کی مسندِ تدریس پر حضرت مولانا حافظ محمد حسین روپڑی (مدیر اعلیٰ محدث حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ کے والد محترم)، حضرت حافظ حکیم محمد احمد اور خطیبِ مسجد حضرت مولانا عبدالرحمٰن فائز تھے اور اُس کے منتظمین میاں محمد عالم، میاں دین محمد، اُن کے والد میاں مولا بخش اور میاں عبدالستار (جو ماضی قریب میں سرگودھا میں انتقال کر گئے تھے)، مولانا حکیم عبدالرحمٰن آزاد (تقسیم ملک کے بعد گوجرانوالہ آ گئے، مجلس احرار کے قائد اور مرکزی جمعیت اہل حدیث کے رہنماؤں میں سے تھے)، مولانا عبدالعظیم انصاری اور حافظ عبدالرحمٰن پٹوی ثم قصوری کی رہائشیں اور کاروبار اسی مسجد کے نواح میں تھیں۔ تمام ارد گرد کا ماحول دینی تھا، اکثریتی آبادی مسلمانوں کی تھی۔ منڈی کی جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب نمونۂ سلف مولانا سید عبدالرحمٰن شاہ تھے۔

ایک اور مضافاتی بستی میں مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح خطیب تھے جو مدرسہ رحمانیہ دہلی سے تحصیل علم کے بعد پٹی آئے، وہ میرے والد کے جگری دوست اور صبح و شام اکل و شرب

magazine.mohaddis.com

اور بیٹھنے اُٹھنے میں عام طور پر اکٹھے دیکھے جاتے۔ حافظ صاحب چھوٹی عمر میں والدین کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے، اکیلے بھائی خود ہی تھے۔ ان کی جوان خوبصورتی اور بلند آہنگ تقریروں کا بڑا شہرہ تھا۔ خوش طبعی اور ہر دل عزیزی کے سبب تمام طبقات میں مقبول و معروف تھے۔ پٹی سے وہ جاذبِ نظر شہر ترن تارن ضلع امرتسر میں چلے گئے اور وہاں کی جامع مسجد اہل حدیث میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ مسجد کے قریبی میدان میں ہر سال سالانہ جلسہ منعقد کرتے جس میں والد صاحب باقاعدگی سے شرکت کرتے، تقسیم ملک سے چند ماہ قبل غالباً مارچ ۱۹۴۷ء کے سالانہ جلسہ پر والد صاحب مجھے بھی ہمراہ لے گئے۔

اب سنیے اس جلسہ کے ایک رات کے اجلاس کی روداد، جس کی صدارت حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری فرما رہے تھے۔ اس دور کے نامی گرامی مقرر مولانا عبداللہ ثانی اپنی مسحور کن آواز میں تقریر کر رہے تھے کہ کسی نے مولانا امرتسری کے کان میں آکر عرض کیا کہ جلسہ کے ایک کونے میں حافظ محمد اسماعیل روپڑی اور حافظ عبدالقادر روپڑی کھڑے ہیں جو کسی نزدیکی گاؤں میں تبلیغی پروگرام سے فارغ ہو کر یہاں پہنچ گئے تھے، ان دنوں روپڑی ثنائی نزاع جو علمی نوعیت کا تھا مگر عروج پر تھا اور دونوں طرف کے علما کے باہم مذاکرات و گفتگو میں بعض اوقات تلخیاں بھی پیدا ہو جاتی تھیں۔ ان کشیدہ احوال کے باوجود مولانا امرتسری نے روپڑی برادران کو پیغام بھیجا کہ وہ اسٹیج پر آجائیں چنانچہ دونوں بھائی اسٹیج پر تشریف فرما ہوئے۔ مولانا ثانی کی تقریر کے بعد مولانا امرتسری نے دونوں کی تقریریں کرائیں۔ یاد پڑتا ہے کہ مولانا ثانی کی توحید کے موضوع پر تقریر کو آگے بڑھاتے ہوئے حافظ محمد اسماعیل نے اپنے ممتاز لحن داؤدی اور شیریں بیانی سے خطاب کیا۔ حافظ عبدالقادر نے ختم نبوت کے زیر عنوان دھواں دھار اور ولولہ انگیز تقریر کی جن کے بعد حضرت مولانا امرتسری نے اپنے روایتی حسن اخلاق اور کریمانہ اَقدار کا مظاہرہ فرماتے ہوئے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ اختلافات اپنے مقام پر مگر یہ دونوں بچے میرے بھتیجے ہیں، اُن کی حوصلہ افزائی اور ان سے شفقت و پیار میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ تو سنتِ نبویؐ ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

موضع پٹی کا تذکرہ ہوتے ہوتے قریب کے دو اسٹیشن چھوڑ کر شہر خوش نما ترن تارن کے ایک شگفتہ اور تاریخی واقعہ کی یاد آگئی جسے اوپر تحریر میں لا چکا ہوں۔ پٹی کے تھانہ کی بلند بانگ محل نما عمارت کے پہلو میں کئی کنال پر مشتمل ایک عظیم الشان دارالعلوم قائم کیا گیا جس میں درسِ نظامی ہائی سکول اور حفظ قرآنِ مجید اور قرات و تجوید کے شعبوں میں تعلیمات کا اجرا کیا گیا۔ اس دارالعلوم کی بنیاد تقسیم ملک سے دو ڈھائی سال پہلے ایک تین روزہ عالی شان کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر رکھی گئی جس کی صدارت بھی حضرت مولانا امرتسری نے فرمائی تھی۔

ضرورت کے مطابق بلڈنگ تیار ہو چکی تھی۔ ان سطور کے راقم نے اسی درس گاہ میں ناظرہ قرآنِ مجید اور سکول کی دو جماعتیں پڑھی تھیں۔ کانفرنس میں جن اسلاف اور صالحین کی زیارت کا مجھے شرف حاصل ہوا ان میں مولانا امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، حضرت حافظ محمد عبداللہ روپڑی، حافظ محمد حسین روپڑی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور امیر انجمن اہلحدیث پنجاب حضرت سید محمد شریف شاہ گھڑیالوی۔ نوجوان علما کی کثیر تعداد تھی جن میں سے چند معروف مولانا محمد عبداللہ ثانی، مولانا احمد دین گکھڑوی، مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح، حافظ محمد اسماعیل روپڑی، حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا علی محمد صمصام، مولانا امیر الدین بھانبڑی، مولانا حافظ محمد ابراہیم باقی پوری ثم حافظ آبادی، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف، مولانا نور حسین گرجاکھی اور مولانا عبدالمجید سوہدروی کے اسمائے گرامی مجھے یاد ہیں۔ پاکستان میں آکر بھی یہ حضرات آخر دم تک تبلیغ و دعوت کتاب و سنت میں مصروف ہو گئے۔ حافظ عبدالرحمٰن پٹوی ثم قصوری اسٹیج سیکرٹری تھے۔ اسٹیج کے دائیں بائیں رضاکاروں میں مولانا عبدالعظیم انصاری، حاجی محمد علی پٹوی ثم وہاڑی، میاں عبدالستار، صوفی جمال دین پٹوی ثم عبدالحکیم ضلع خانیوال اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ ڈیوٹیوں پر تھے اور نعروں کی بہاروں سے بھی مجمع میں ایک ولولہ پیدا کر رہے تھے۔

اس دارالعلوم کے اصل بانی سید عبدالرحمٰن شاہ اور میاں محمد عالم تھے۔ افسوس کہ یہ تعلیمی منصوبہ تقسیم ملک کی نذر ہو گیا لیکن ان صالحین کا جذبہ تقسیم ملک کے بعد بھی قائم رہا اور دونوں حضرات مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، چنانچہ انہی کے تصور اور خاکہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پر مولانا غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد حنیف ندوی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف جیسے اکابر نے فیصل آباد میں جامعہ سلفیہ کی بنیاد و تاسیس رکھی جس کی تفصیل میں کسی گذشتہ مضمون میں تحریر کر چکا ہوں۔

محمدی بیگم کی داستان

اب مزید موضع پٹی کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ اس تاریخی قصبہ کے آباد کار مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کے آباؤاجداد میں سے تقسیم ملک کے موقع پر جو نمایاں افراد موجود تھے، وہ تھے: مرزا امان اللہ، مرزا حمید اللہ اور مرزا اسلم بیگ۔ آخر الذکر مرزا اسلم بیگ میرے والد کے دوستوں میں سے تھے۔ وہ قریباً ہر روز عصر کے بعد ہماری دکان پر آجاتے، چائے کا رواج ان دنوں کم تھا، البتہ اُنہیں پڑوس کے حکیم عمر دین عطار کی دکان سے والد صاحب شربت پلاتے۔ کئی طرح کی دونوں میں گپ شپ رہتی۔ میں نے دیکھا کہ کئی مرتبہ ان کی بات چیت میں مرزا غلام احمد قادیانی کی محمدی بیگم سے رغبت و ناکامی اور کذب و افترا کی باتیں ہوتیں اور دونوں خوب محظوظ ہوتے۔

مرزا غلام احمد نے پٹی کی رہائشی اور اسی مغل خاندان کی جواں سال بیٹی سے نکاح کے لئے بڑے جتن کئے، الہامات اور اشتہارات شائع کئے کہ میرا نکاح اس سے لازمی طور پر ہو گا۔ مرزا نے خاندان کے افراد کے ذریعے کئی قسم کے مالی لالچ بھی دیئے اور نکاح نہ کرنے کی پاداش پر اُن پر عذابِ الٰہی اور مصائب سے دوچار ہونے کے الہامات سے ڈرایا دھمکایا مگر بے سُود!

غرضیکہ مرزا غلام احمد نے محمدی بیگم کے ساتھ نکاح رچانے کے لئے کئی طرح کوششیں اور سازشیں کیں جسے مرزا اسلم بیگ مزے لے لے کر بیان کرتے۔ میرے والد مرحوم بھی علمائے کرام سے اس سلسلہ کی سُنی مرزا کی خرافات کا ہنس ہنس کر اظہار کرتے۔ مرزا اسلم بیگ نے بتایا کہ مرزا غلام احمد کی ذلّت و رسوائی یوں ہوئی کہ محمدی بیگم کا نکاح میرے ایک عزیز سلطان محمد سے ہو گیا لیکن مرزا غلام احمد اس کے باوجود پیش گوئیاں کرتا رہا بلکہ یہ دعویٰ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے محمدی بیگم کا نکاح میرے ساتھ خود پڑھا دیا ہے۔ اس پر بعض لوگوں کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ "اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھایا گیا ہے۔"

ایک دفعہ مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی نے اپنی تقریر میں مولانا احمد الدین گکھڑوی کے مرزائی مناظر مولوی سلیم کے ساتھ مناظرہ کا احوال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مناظرہ کا موضوع 'نکاحِ مرزا' تھا۔ مولانا احمد دین مرزائی مناظر سے کہنے لگے کہ آپ کے عقیدہ کے مطابق مرزا صاحب کا نکاح آسمان پر اللہ تعالیٰ نے محمدی بیگم سے پڑھایا۔ لہٰذا اچھوہارے فرشتے کھا گئے، دُلہن پٹی والا لے گیا، آپ لوگوں کے ہاتھ کیا آیا جو خواہ مخواہ بحث و مباحثہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ مولانا احمد دین نے حقیقتِ حال واضح کرتے ہوئے مزید کہا کہ محمدی بیگم مرزا غلام احمد کی عبرت ناک موت کے بعد نوے برس سے زائد عمر پا کر لاہور میں فوت ہو گئی جس نے وصیت کی تھی کہ کوئی مرزائی میرے جنازے پر نہ آئے۔

مولانا امرتسری کی بلند اخلاقی

چلتے چلتے ایک اور دل آویز واقعہ دماغ میں تازہ ہو گیا، پٹی کی جس کانفرنس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں مولانا امرتسری کی صدارت میں رات کے اجلاس میں مولانا احمد دین گکھڑوی اور ان کے بعد مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی نے نہایت ایمان افروز اور باطل شکن تقریریں کیں جن کے بعد مولانا امرتسری مائک پر آئے اور دائیں طرف مولانا احمد دین کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بائیں طرف حافظ عبدالقادر روپڑی کو بلا کر اُن کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور سامعین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ان شاء اللہ میدانِ مناظرہ خالی نہیں رہے گا، کیونکہ یہ دونوں نوجوان علما میرے خلا کو پُر کریں گے۔ پھر دونوں کی زندگیوں کے لئے اور علم و عمل کی فراوانیوں کے لئے دعائیں دیں۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را !!

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آصف جاوید، خضر حیات، عبد اللہ طارق...

جامعہ لاہور الاسلامیہ میں ہونیوالے خطابات کا خلاصہ

مجلس فضلاء جامعہ، تقریب تکمیل صحیح بخاری، رد قادیانیت کورس، دورہ نحو و صرف، قراء و علماء کا استقبالیہ

جامعہ لاہور الاسلامیہ ایک قدیم و عظیم درسگاہ ہے، جس کے فیوض و برکات چہار دانگ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ماہ نامہ محدث بھی جامعہ کی جہود و مساعی کا ایک باب ہے۔ جامعہ کی ان خدمات کی ایک جھلک اور دو ماہ کی سرگرمیاں ہدیۂ قارئین ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلے اور اس کے فیوض کو تا ابد الآباد قائم رکھے۔ آمین

(۱) فضلاے جامعہ لاہور الاسلامیہ کا سالانہ اجتماع ۲۰۱۳ء

تحریر: پروفیسر آصف جاوید[1]

ہفتہ، یکم جون ۲۰۱۳ء کو جامعہ لاہور الاسلامیہ کی مسجد میں ۱۰ بجے صبح فضلاے جامعہ کا اجلاس شروع ہوا، اجلاس کی پہلی نشست کی نقابت واستقبال کے فرائض اُستاذ جامعہ مولانا محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ نے انجام دیے۔ اُنہوں نے اپنے بہترین تدریسی وانتظامی تجربات سے اپنے ماضی کے زیر تعلیم طلبہ اور حال کے فاضل جامعہ کو مستفید کیا۔ یاد رہے کہ مولانا موصوف جامعہ ہذا میں ۱۵برس تک ناظم تعلیمات کے اہم فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ اساتذہ میں مولانا محمد شفیع طاہر فاضل مدینہ یونیورسٹی نے حاضرین کو اُن کی ذمہ داریوں، رابطے کی ضرورت واہمیت اور افادیت پر سیر حاصل معلومات سے نوازا۔ سابقہ طلبہ وسابقہ اساتذہ کی آمد کا سلسلہ جاری وساری تھا، اس دوران نمازِ ظہر سے پہلے تک چند طلبہ کے نمائندہ خطابات ہوئے، جن میں راقم الحروف، محمد سلیمان اور عبد اللہ خطیب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جبکہ سابقہ اساتذہ میں مولانا طاہر محمود، حافظ عبد الستار اور قاری محمد ابراہیم میر محمدی حفظہم اللہ تعالیٰ بھی اپنے شاگردوں سے ملاقات کے لئے بطور خاص تشریف لائے تھے۔ اجلاس کی دوسری اور مرکزی نشست نمازِ ظہر کے بعد تھی، جس کی نظامت ناظم تعلیمات حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ نے کی۔

مدیر تعلیم ڈاکٹر حافظ حسن مدنی کا ابتدائی خطاب

جامعہ کے ناظم تعلیمات نے تمہیدی کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ آج بڑی مسرت کا موقع ہے کہ جامعہ کے چار عشروں پر محیط فاضلین اس مجلس میں اپنے مہربان اساتذہ کے ساتھ موجود ہیں۔ میں آپ سب حضرات کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ملاقات کی بہترین صورت اساتذہ کرام کے خیالات و افکار سے استفادہ ہے۔ اساتذہ ہی کسی تعلیمی ادارے کی اساس اور محور ہوتے ہیں۔ طلباے علوم دینیہ در حقیقت اُستاد سے کسبِ فیض کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ وہ کسی جگہ، بلڈنگ اور بہتر انتظام وانصرام کی وجہ سے ہی نہیں آتے، بلکہ در حقیقت کسی فاضل شخصیت سے کسبِ فیض کے لئے آتے ہیں۔ یہ اساتذہ کی درجات کے نیچے بھی

[1] فاضل جامعہ لاہور اسلامیہ، سیشن ۲۰۰۹ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کردے تو اس کے گرد بھی جمع ہو جاتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ جامعہ ہذا کا بنیادی امتیاز یہی ہے کہ اس میں ملک کے نامور اور فاضل اساتذہ ماضی سے آج تک اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، کئی اساتذہ کرام پچھلے تین عشروں سے تواتر سے اپنی خدمات انجام دیتے آرہے ہیں۔ اس ادارے کی انتظامیہ کو یہی اعزاز کافی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس ادارے کے کئی ایک امتیازات ہیں، اس کی رحمانیہ برانچ میں کلیہ دراساتِ اسلامیہ کی کلاسز ہوتی ہیں جس میں طلبہ کی تعداد ۲۰۰ کے لگ بھگ ہے جبکہ جامعہ کی دوسری برانچ 'البیت العتیق' کے نام سے کام کررہی ہے۔ جس میں شعبہ حفظ کے ساتھ ساتھ شعبہ علوم دینیہ کی پہلی چار کلاسیں ہوتی ہیں۔

اُنہوں نے کہا کہ ہمارے لئے یہ امر بھی باعثِ اعزاز ہے کہ پچھلے پانچ سالوں میں جامعہ ہذا سے درجن سے زائد طلبا کا مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ ہوا ہے اور وہاں ہمارے طلبہ ہر مرحلہ میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ حتیٰ کہ شعبان ۱۴۳۴ھ میں جاری ہونے والے سالانہ نتائج میں جامعہ کے فاضل عبدالمنان نے مدینہ یونیورسٹی کے اہم ترین کلیہ شریعہ میں پہلی پوزیشن حاصل کرکے جامعہ کا نام روشن کردیا ہے۔ اسی مرحلہ پر جامعہ ہذا کے ہی حافظ محمد زبیر مدنی نے پورے شریعہ کالج میں چھٹی پوزیشن حاصل کی ہے جبکہ جامعہ ہذا کے ہی فاضل حافظ احسان الٰہی ظہیر نے عربی خطابت میں یونیورسٹی بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ یہ امر بھی باعث ذکر ہے کہ جامعہ کے چھ طلبہ کو مدینہ یونیورسٹی میں ایم فل کے درجے میں داخلہ کا اعزاز نصیب ہوا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ جس طرح کوئی انسان بھی معصوم نہیں ہوتا، اس طرح کوئی ادارہ بھی خامیوں سے پاک نہیں ہوتا۔ آپ کو دعوت دینے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ادارے سے وابستہ رہیں اور اپنے اساتذہ کرام دعوت وتبلیغ میں رہنمائی اور مثبت مشورے لیتے رہیں، انتظامیہ کو بھی اپنے بہترین مشوروں اور دعاؤں سے مستفید کریں تاکہ ہم طلبہ کو زیادہ سے زیادہ بہتر ماحول اور مناسب سہولیات فراہم کرسکیں۔

مختصر سی تمہیدی گفتگو کے بعد جناب مدیر التعلیم حافظ حسن مدنی صاحب نے اساتذہ کرام میں ایک ممتاز شخصیت کو حاضرین سے دعوتِ خطاب دی۔

نائب شیخ الحدیث مولانا رمضان سلفی کا خطاب

شیخ الحدیث صاحب نے اپنی بات کا آغاز قرآنی آیت سے فرمایا: قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلموء﴾ ارشاد فرمایا اور اس علم کا تعریفی کلمات میں ذکر کیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا شمار بھی اسی گروہ میں ہوتا ہے، لہٰذا ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم جہاں بھی جائیں علم وعمل کی خوشبو بکھیریں۔ سرکاری اداروں میں ہوں یا نیم سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں، وہاں علم پھیلانے کی جستجو کریں۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے ہاتھوں مستقبل میں دین کے محافظ تیار ہورہے ہیں اور علم والا شخص ایسے ہی ہے، جیسے خوشبو بیچنے والا ہے جو خوشبو بکھیرتا ہی رہتا ہے، لہٰذا آپ بھی علم دین پھیلانے میں اپنی صلاحتیں کھپادیں۔

اُنہوں نے کہا کہ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے طلبا اپنی شکل وصورت سے الاسلام یعلو ولا یعلی کا پیکر نظر آتے ہیں، اللہ ان کے باطن کو بھی اس بہتر ظاہر کے مطابق فرمادے۔ ہمیں کسی کے پیچھے نہیں جانا چاہیے بلکہ دوسروں کو اپنے اور دین اسلام کے پیچھے لگانا چاہیے۔ اُنہوں نے کہا کہ اہل علم دراصل انبیا کے وارث ہوتے ہیں اور انبیاے کرام اپنی وراثت میں درہم ودینار نہیں چھوڑتے بلکہ وہ علم چھوڑتے ہیں لہٰذا نمازیں پڑھانا، خطبے دینا اور قوم کی اصلاح کا کام کرنا انبیا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کا کام ہے اور یہ بڑا عظیم مشن ہے۔ یہی مشن ہمارے تعلق اور محبت کی بنیاد ہے، اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ کے لئے بغض رکھنا سب سے افضل کام ہے، اتنے سخت موسم میں اپنی مصروفیات سے وقت نکالنا اور سفر کی تکلیف برداشت کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ حضرات کو دین اور اس ادارے، علم اور اہل علم کے ساتھ محبت ہے۔ اُنہوں نے اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے دین کو دنیوی مقاصد کے لئے استعمال نہ کریں۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے مشن کا حق ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

مولانا رمضان سلفی کے ان رزّیں ارشادات کے بعد جناب مدیر التعلیم نے فضلاے جامعہ کی نمائندگی کے لئے جامعہ ہذا سے ۱۹۹۷ء میں تکمیل علم کرنے والے جناب قاری صہیب احمد میر محمدی کو اپنے خیالات پیش کرنے کی دعوت دی۔

قاری صہیب احمد میر محمدی حفظہ اللہ

قاری صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ اللہ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں دین کے فہم وبصیرت سے نوازا ہے اور ہمیں خیرکم من تعلم القرآن وعلّمہ کا مصداق بنایا ہے، اس پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ رات کو اتنا قیام کیا کرتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا، آپؐ سے پوچھا جاتا تو آپؐ فرماتے کہ میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اُنہوں نے دین اور اس مشن کے ساتھ وابستہ رہنے کو ہی عزت قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ "جاہلیت میں ہم ذلیل تھے، اللہ نے اسلام دے کر ہمیں معزز بنایا ہے، اگر ہم اس کے علاوہ عزت تلاش کریں گے تو ذلیل ہو جائیں گے۔"

اُنہوں نے کہا کہ اللہ کا راستہ بہت طویل ہے اور ہماری عمریں بہت قلیل ہیں: فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر اور کوئی شخص تنہا اس راہ کو طے نہیں کر سکتا، جب اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص ہمارے ساتھ نہ ہو۔ لہٰذا میں اپنے اور آپ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ ہم اس مشن پر گامزن ہوں اور آخر حیات تک اس پر گامزن رہیں۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس علمی مشن پر صبر واستقامت کے ساتھ قائم رہنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

اس مختصر اور نمائندہ خطاب کے بعد ڈاکٹر حافظ حسن مدنی نے تین دہائیوں سے زائد عرصہ سے جامعہ ہذا میں صحیح بخاری کی تدریس فرمانے اور دیگر علوم کا فیض پھیلانے والی شخصیت شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ کو ان الفاظ میں دعوت دی کہ میں جس شخصیت کو دعوت دے رہا ہوں، یہاں ہم سب ان کے شاگرد موجود ہیں، اور ان سے تلمذ کی یہ نسبت ہم سب کے لئے باعثِ فخر ہے۔ یہ وہ مایہ ناز شخصیت ہیں جن کا پاکستان بھر کے علماے کرام میں غیر معمولی احترام ومرتبہ پایا جاتا ہے اور جلیل القدر اہل علم ان کو 'حضرۃ الاستاذ' کے مبارک نام سے پکارتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ

حافظ صاحب نے فرمایا کہ میری تربیت میں حضرت عبداللہ محدث روپڑی اور حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے والد حافظ محمد حسین روپڑی کا بہت حصہ ہے۔ میں نے حافظ محمد اسماعیل روپڑی او رحافظ عبدالقادر روپڑی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ میں اور مدنی صاحب، اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ۶۰ کی دہائی میں جامعہ اہل حدیث چوک دالگراں، لاہور میں پڑھتے تھے۔ جامعہ اہل حدیث دالگراں میں کسی افسر نے ہم سے پوچھا کہ کیا یہ تجارتی ادارہ ہے۔ ہم نے کوئی جواب نہ دیا تو ہمارے استاذ حضرت محدث روپڑی نے فرمایا: آپ نے کیوں نہ کہا: هل ادلكم علىٰ تجارة۔ کہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہاں یہاں تجارت ہوتی ہے، لیکن دنیا کے بدلے آخرت کی۔ اُنہوں نے کہا کہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے منسوب ہونے کو لوگ باعثِ افتخار سمجھتے ہیں اور ہمارے ممدوح اُستاد محدث روپڑی اس ادارہ کے نصاب ساز اور ممتحن رہے ہیں اور ہم نے جامعہ لاہور الاسلامیہ کا نام دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے نام پر ہی رحمانیہ رکھا تھا۔ اُنہوں نے بتایا کہ ۱۹۷۰ء کو میرے گاؤں سرہالی کلاں میں میرے رفقا: مولانا عبدالسلام کیلانی، حافظ مدنی صاحب اور میں نے مشورہ کیا تھا کہ ایک علمی مجلّہ نکالنا چاہیے۔ مدنی صاحب نے کہا کہ دہلی سے جو 'محدث' نکلتا تھا، اس طرز کا ہونا چاہیے اور اُنہوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور آج محدث اُردو زبان کے مجلّات میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ مدنی صاحب کے والد محترم محمد حسین روپڑی بڑے پرہیز گار آدمی تھے، وہ مدرسے کا کھانا نہیں کھاتے تھے اور نہ ہی اپنے بچوں کو کھانے دیتے تھے۔ مدنی صاحب چار بھائی تھے اور چاروں ہی سائیکل پر مدرسہ جاتے تھے کہ شام کا سورج گھر میں غروب ہونا چاہیے۔ اُنہوں نے کہا کہ میں کئی سالوں سے عرب ممالک میں حدیث کی بڑی بڑی مجالس میں حدیث نبوی کو سبقاً سبقاً پڑھا رہا ہوں، گذشتہ برس میں نے مسند احمد کا مدینہ منورہ میں درس دیا جس میں طلبہ علم کے ساتھ نامور اساتذہ اور پروفیسرز بھی شریک تھے، میں نے موقع کو غنیمت جانا اور حدیث کے بعض تاریخی مقامات کا اُن سے پتا چلایا۔ ایک شخص نے بتلایا کہ اُس نے اُمّ حرام کی قبر دیکھی ہے جو قبرص کے ایئرپورٹ کے پاس ہی ہے۔ ایک شخص نے بتایا کہ باب اللد، اسرائیل میں تل ابیب ایئرپورٹ کے پاس ہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس جگہ عیسیٰ علیہ السلام نے دجال کو قتل کرنا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ میں نے مدنی صاحب اور اُن کی اہلیہ کے ساتھ، جو پردے کے پیچھے ہوتی تھیں، بیٹھ کر مولانا وحیدالزمان کی شرح بخاری پر کئی مہینے لگا کر کتاب الجنائز تک کام کیا تھا، مگر پتا نہیں کہ اس کو شائع کیوں نہیں کیا جاتا؟ اُنہوں نے کہا کہ مدنی صاحب نے اپنے اوپر بے انتہا انتظامی بوجھ لاد رکھے ہیں اور ان کے پاس فرصت نہیں ہے، ورنہ اُنہیں بیٹھ کر یہ کام کرنا چاہیے۔ ان کے والد صاحب نے اُنہیں اصول کی متعدد کتابیں زبانی یاد کرائی تھیں۔ مدنی صاحب کو تصنیف وتالیف کے لئے وقت نکالنے کی اشد ضرورت ہے مگر مدنی صاحب کہتے ہیں کہ جب تک آپ پاس نہ بیٹھیں، میں علمی کام نہیں کر سکتا۔

اُنہوں نے اپنا زمانہ طالب علمی، اپنے اساتذہ کا کردار اور جامعہ کا علمی ماحول بیان کیا اور اپنے ساتھی مولانا عبدالسلام کیلانی کے بارے میں فرمایا کہ میں نے ان جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا۔ مولانا کیلانی بڑے ذہین، نکتہ رس تھے۔ ایک بار مجھ سے مدینہ منورہ میں کسی شخص نے ہمارے استاذ محدث روپڑی کی لیاقت وقابلیت کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے کہا کہ مولانا عبدالسلام کیلانی نے ان سے علوم نبوت کو حاصل کیا اور ان کی عالمانہ وجاہت، اپنے جلیل القدر استاذ کی دینی بصیرت وفراست پر شاہد ہے۔ اُنہوں نے اپنے دیگر اساتذہ کا بھی ذکرِ خیر کیا۔

شیخ الجامعہ حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ

مدنی صاحب نے فرمایا کہ میرے بزرگ ساتھی، حافظ ثناء اللہ مدنی نے زندگی میں علم پڑھا ہے یا پڑھایا ہے یا اپنے اساتذہ کی خدمت کی ہے۔ مگر میں نے اداروں کی خدمت کی ہے لہٰذا کوشش کے باوجود بھی میرا علم اتنا تازہ نہیں، جتنا تازہ علم میرے ساتھی کا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ ہم کتاب وسنت کے حامل ہیں مگر بریلوی، دیوبندی اور شیعہ سب کا دعویٰ بھی یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حامل ہیں لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سب اایک ہی مسلک ہے؟ یا ان میں کچھ فرق بھی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ان کے درمیان اجتہاد اور اتباع کے طریقہ کار کا فرق ہے۔ تابعین کے زمانہ میں حضرت سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے رجحان سے اہل حدیث اور اہل رائے کے دو گروہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان حدیث و فقہ کی بنیاد پر تقسیم کا مسئلہ نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ امام مالک اور امام بخاری علیہما الرحمۃ کو نامور فقیہ ہونے کے باوجود اہل حدیث میں شامل کیا جاتا ہے اور ابراہیم نخعی کو محدث ہونے کے باوصف اہل رائے میں شمار کیا جاتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ما اَنزل اللہ کا اتباع کرنا اور شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے اور فقہ کو ما انزل اللہ نہیں کہا جاسکتا حتیٰ کہ ہم اجتہادِ صحیح کو بھی ما انزل اللہ سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ اُنہوں نے کہا کہ افسوس ہمارے پڑھے لکھے حضرات بھی اس فرق سے واقف نہیں لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اگر ملک میں فقہ نافذ نہ کریں گے تو انارکی پھیل جائے گی۔ اُنہوں نے کہا کہ کیا فقہ کی بجائے ماانزل اللہ کو نافذ کرنے سے سعودی عرب میں انارکی پھیل گئی ہے اور اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کہاں انارکی ہے؟ حالانہ ہر جگہ شریعت کا نفاذ تھا، کسی خاص فقہ کا نہیں۔ اُنہوں نے کہا طالبان نے امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دستور میں حنفیت کو شریعت قرار دیا ہے جبکہ ایران نے جعفریت کو شریعت مانا ہے، ایسے ہی ہمارے ملک میں کسی جدید فقہ کو شریعت کا درجہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ وہ جدید فقہ کسی طور بھی امام شافعی یا مالک، امام احمد یا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے بہتر نہیں ہو سکتی۔ اُنہوں نے کہا کہ سعودی عرب میں خیر ہے کیونکہ وہاں کتاب و سنت نافذ ہے۔ شاہ عبدالعزیز کو مصری علمانے کہا تھا کہ ہم آپ کو فقہی قانون تیار کر دیتے ہیں، مگر اُنہوں نے جواب دیا کہ مجھے کتاب و سنت کی موجودگی میں ضرورت نہیں ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ اجتہاد کا تعلق جج صاحبان کے ساتھ ہے، اُنہیں شریعت کا ماہر ہونا چاہیے تاکہ وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کر سکیں۔ کتاب و سنت کے ماہر جج و قاضی حضرات کو ایسے لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کا پابند نہیں ہونا چاہئے جو شریعت کی مبادیات سے بھی ناواقف ہیں لیکن رکن اسمبلی ہونے کی بنا پر قانون سازی کرتے ہیں۔

اُنہوں نے کہا کہ ہم اپنی جامعہ میں اسلامی شریعت اور اسلامی معیشت کے مضامین میں ایم فل، پی ایچ ڈی کروائیں گے اور عہدِ حاضر کے سودی وعدالتی نظام کو موضوعِ بحث بنائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی بینکاری کا تصور سُودی بینک کاری سے بھی بدتر ہے کیونکہ عام بینکاری کو عوام نے اسلام سمجھ کر نہیں بلکہ کفر سمجھ کر اپنایا تھا مگر اسلامک بینکنگ کو اسلام سمجھ رکھا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ علم دراصل امتیاز اور نکھار کا نام ہے۔ آپ صاحبِ علم نہیں اگر موجودہ فتنوں کو نہیں پہچانتے۔ اُنہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے مطابق جو شخص فتنوں کو نہیں جانتا، وہ اسلام کو ایک ایک ٹکڑا بنا کر توڑ دے گا۔ اُنہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے پورے معاشرے میں جاکر دین کا کام کیا ہے۔ ہمیں بھی مساجد و مدارس میں تعلیم و تربیت حاصل کر کے معاشرے میں جاری فتنوں کا سامنا اور مقابلہ کرنا ہو گا۔ یہی میں اپنے ابناء الجامعہ کو پیغام دینا چاہتا ہوں۔

نمازِ عصر سے نصف گھنٹہ قبل یہ اجلاس دعاے خیر پر اختتام پذیر ہوا اور طلبہ واساتذہ کو پر تکلف ظہرانہ پیش کیا گیا۔ پھر اسی روز بعد نمازِ عصر جامعہ لاہور اسلامیہ (البیت العتیق) میں ہونے والی 'کتاب و سنت کانفرنس' میں فضلاے جامعہ کو بسوں کے ذریعے پہنچایا گیا۔ البیت العتیق میں نمازِ عصر سے اگلے دن نماز فجر تک جاری رہنے والی اس کتاب و سنت کانفرنس میں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مولانا حافظ عبد الغفار مدنی، قاری صہیب احمد میر محمدی، مولاناحافظ عبدالرحمٰن مدنی، قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی، حافظ ابتسام الٰہی ظہیر، مولاناسید سبطین شاہ نقوی، قاری خالد مجاہد اور مولانا عمر صدیق حفظہم اللہ تعالےٰ نے قرآن وسنت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی خطابات کئے جس میں ہزاروں کی تعداد میں حاضرین نے شرکت کی اور یہ کانفرنس پورے تزک واحتشام سے انعقاد پذیر ہوئی۔ جلسہ ہذامیں نقابت کے فرائض محترم سید علی القاری (مدیر مجلّہ الاحیاء) نے انجام دیے اور جامعہ کے اساتذہ تجوید وقراءت قاری نعیم الرحمٰن، قاری عارف بشیر اور قاری عبد السلام عزیزی حفظہم اللہ کی تلاوتیں بھی جلسہ میں انوارِ قرآنی بکھیرتی رہیں۔ جلسہ میں نعتِ رسول ﷺ اور نظم وترانہ کے لئے بھی نامور حضرات کو دعوت دی گئی۔

جلسہ ہذا کے آغاز میں نمازِ مغرب سے قبل جامعہ لاہور اسلامیہ (البیت العتیق) میں مشکوۃ المصابیح کی آخری کلاس کے طلبہ کی اختتام مشکوٰۃ کی تقریب بھی منعقد ہوئی۔ البیت العتیق میں مذکورہ بالا تمام تر پروگرام یہاں کے مدیر التعلیم ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی نے تشکیل دیے اور ان کی ہمہ وقتی نگرانی میں بخیر وخوبی انجام پائے۔

(۲) تقریب صحیح بخاری شریف

تحریر: حافظ خضر حیات[1]

جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) علوم اسلامیہ کی ایک عظیم درسگاہ ہے جس سے ہر سال بہت سے طلبہ علم وعرفان کی مختلف منازل طے کر کے سندِ فراغت حاصل کرتے ہیں۔

امسال بھی تقریبِ ختم بخاری کا انعقاد بڑے تزک واحتشام کے ساتھ ہوا جس میں ملک بھر سے جید علمائے کرام اور سامعین عظام نے شرکت کی۔ ۸ جون بروز ہفتہ، بعد نمازِ مغرب تقریب کی ابتدا ہوئی۔ قاری عارف بشیر کی تلاوتِ کلام مجید کے بعد آٹھویں رفائنل سال کے طلبہ صحیح بخاری کی آخری حدیث پر درس لینے کے لیے جامعہ الدعوۃ السلفیہ کے شیخ الحدیث مولانا عبد اللہ امجد چھتوی حفظہ اللہ ویرعاہ کے سامنے گول دائرے کی شکل میں اسٹیج پر بیٹھے۔ طالبعلم قاری اظہر نذیر نے شیخ الحدیث اُستاد محترم مولانا رمضان سلفی حفظہ اللہ سے لے کر امام بخاری رحمہ اللہ تک اور پھر رسول اللہ ﷺ تک اپنی سند کے ساتھ آخری حدیث کی قراءت کی اور مولانا چھتوی کے درس کی ابتدا ہوئی جس میں انہوں نے عالمانہ وفاضلانہ گفتگو کرتے ہوئے امام بخاری کی علمی جلالت پر روشنی ڈالی اور صحیح بخاری کا اُمتِ مسلمہ کے ہاں کیا مقام ہے اس کو واضح کیا اور ساتھ ساتھ دفاع بخاری و صحیح بخاری کے حوالے سے بھی علمی نکات پیش کئے۔ بخاری کی آخری حدیث پر سند و متن ہر دو اعتبار سے محققانہ گفتگو کرتے ہوئے اختصار کے ساتھ اپنی بات کو سمیٹا۔

اُن کے خطاب کے دوران محقق دوراں مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ سٹیج پر تشریف فرما تھے، جبکہ جامعہ کے اساتذہ اور لاہور شہر کے علما بڑی تعداد میں ہمہ تن گوش تھے۔ اسی دوران مدیر الجامعہ مولانا حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ ومتعنا بطول حیاتہ بھی تشریف لا چکے تھے۔ اُنہوں نے تقریب میں تشریف لانے والے علما وفضلا کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور پھر صحیح بخاری سے اپنی وابستگی اور شغف کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی کہ اُمت مسلمہ اور خاص کر طالبانِ علوم نبویہ کو کون کون سے چیلنج درپیش ہیں اور ان کا مقابلہ کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ اُنہوں نے اس دعائیہ خواہش کا بھی اظہار کیا ہے کہ اللہ اُن سے زیادہ سے زیادہ دین کا کام لے لے۔

تقریب کے تیسرے مقرر نامور محقق اور مشہور مصنف کتبِ کثیرہ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ تھے

[1] فاضل جامعہ ہذا... متعلم مدینہ یونیورسٹی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جن کا موضوع امام بخاری اور ان کی صحیح پر کیے گئے اعتراضات کی نقاب کشائی کرنا تھا۔ اُنہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ منکرین حدیث حدیث کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ اُنہوں نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، امام زہری اور امام بخاری کو منکرین حدیث اس لیے ہدف تنقید بناتے ہیں کیونکہ علم حدیث میں جس قدر ان ہستیوں کی جہود نمایاں ہیں، کسی اور کی نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ صحابہ کرام میں روایتِ حدیث کے حوالے سے امتیازی شان رکھتے ہیں جبکہ امام زہری تابعین میں بلند پایہ مقام کے حامل ہیں اور امام بخاری کی کتاب 'اَصح الکتب بعد کتاب اللہ' کے عظیم الشان لقب سے ملقب ہے۔

لاہور کی اس عظیم مادرِ علم میں تقریب بخاری شریف کے موقع پر بڑے مدارس کے شیوخ الحدیث کو خطاب کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ چنانچہ مشہور محقق ومناظر اور مفتی مولانا ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے اس بات پر تفصیلی گفتگو کی کہ کس طرح بعض مذہبی حلقے تقلید کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر احترامِ علما کے نام پر حدیث رسول سے اِعراض اور عملاً اس کی توہین کرتے ہیں۔ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس ناروا سلوک کی اُنہوں نے کتب فقہ حنفیہ سے باحوالہ بہت ساری مثالیں بھی پیش کیں۔

رات کے تقریباً گیارہ بج چکے تھے، عِشاء اور عَشاء دونوں میں تاخیر ہو رہی تھی لہٰذا نقیبِ محفل سید علی القاری حفظہ اللہ نے کچھ دیر کے لیے تقریب کی کاروائی کو روکا اور شرکائے محفل کو کھانے کی دعوت دیتے ہوئے نمازِ عشا ادا کرنے کا کہا اور بتایا کہ جلد ہی دوبارہ تقریب حسبِ سابق رواں دواں ہو گی۔

شرکائے محفل نے نمازِ عشا محترم جناب قاری حافظ حمزہ مدنی حفظہ اللہ کی اقتدا میں ادا کی جنہوں نے حجازی لہجے میں تلاوتِ قرآن سے ایک روحانی سماں پیدا کر دیا۔

نمازِ عشاء سے فراغت کے بعد ایک دفعہ پھر یہ علمی مجلس سجی اور تلاوتِ کلام پاک کے بعد جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کے شیخ الحدیث محترم جناب حافظ عبد الغفار المدنی حفظہ اللہ کا ناصحانہ خطاب ہوا جس میں اُنہوں نے اپنی رواں بیان کے ذریعے علمی وعوامی ہر دو طریقوں سے اتباعِ قرآن وسنت کی اہمیت کو اُجاگر کیا اور بتایا کہ آج ان دونوں کو چھوڑ کر ہم کس طرح گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد راقم نے جو اِن دنوں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، عربی زبان میں اپنی مادرِ علمی اور اپنے اساتذہ کی خدمت میں کلماتِ شکر وتقدیر پیش کیے اور اس بات کا اعتراف کیا کہ کس طرح جامعہ کے منتظمین اور اساتذہ نے ان تھک محنتیں اور کوششیں کر کے ان کی زندگی بدلنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اس بات کا تذکرہ بھی کیا کہ ابناء الجامعہ کس طرح مدینہ منورہ میں بھی مختلف تعلیمی ودعوتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے اور جامعہ کا نام روشن کیے ہوئے ہیں۔

رات ساڑھے بارہ بجے دستار بندی اور تقسیم اسناد کا مرحلہ آیا تو مہمانان سے سندِ فضیلت پانے والوں کو مختلف انعامات واکرامات اور شیلڈز سے نوازا گیا۔

اس کے بعد جامعہ ہذا کے استاذ جناب قاری عبد السلام عزیزی حفظہ اللہ نے اپنے مخصوص لہجے میں تلاوتِ قرآن پیش کی تو سامعین تسبیح وتہلیل کی صدائیں بلند کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس علمی محفل کا آخری دور شروع ہوا تو جامعہ ہذا کے شیخ الحدیث مولانا رمضان سلفی حفظہ اللہ نے حجیتِ حدیث اور اعتصام بالکتاب والسنہ پر زبردست نکات بیان کیے اور کہا کہ قرآن میں جگہ جگہ احادیث رسول کا حوالہ دیا گیا اور ان کی طرف رہنمائی کی گئی ہے اور قرآن اسی بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو حجت ہو لہٰذا منکرین حدیث انکار حدیث کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ساتھ ساتھ انکارِ قرآن کے جرم عظیم کا بھی ارتکاب کرتے ہیں۔ انہوں نے اُمت میں اختلاف اور فرقہ واریت کو زہر قاتل قرار دیتے ہوئے قرآن وحدیث کی اساس پر سب کو متحد ہونے کی تلقین کی۔ شیخ محترم کے کلمات ختم مسک ثابت ہوئے اور نیک تمناؤں ودعاؤں کے ساتھ علمی مجلس رات گئے برخاست ہوئی۔

(۳) ردِّ قادیانیت کورس

تحریر: ابوعبداللہ طارق[1]

عقیدہ ختم نبوت اسلام کے اساسی عقائد میں سے ہے۔ اللہ عزوجل نے سلسلۂ انبیا کے آخر میں محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النّبیین کی حیثیت سے مبعوث فرماکر نبوت کے خوبصورت محل کی تکمیل فرماتے ہوئے بعثت کے اس پاکیزہ سلسلہ کو آپؐ پر ختم کر دیا اور وحی کا سلسلہ بھی آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی منقطع ہو گیا اور بلاشبہ ختم الرُسُل ﷺ کے بعد ہر مدعیٔ نبوت مفتری اور کذاب و دجال تو ضرور ہے لیکن ہادی صراطِ مستقیم کبھی نہیں ہو سکتا اور ایسے دجالوں کو ان کے اس انجام سے جس کے وہ مستحق ہیں، دوچار کرنے کے لئے اُسی علمی و عملی کردار کی ضرورت ہے جو جان نثارانِ ختم نبوت؛ صحابہ کرامؓ نے اَسود عنسی اور مسیلمہ کذاب جیسے دجالوں کو نمونۂ عبرت بنانے کے لئے ادا کیا اور ان مبارک ہستیوں نے اس طرح فتنوں کا قلع قمع کرکے لوگوں کے ایمان محفوظ بنائے۔ عوام کو ان گمراہیوں سے بچانے اور تحفظ ختم نبوت کی شمع دلوں میں روشن کرنے کے لئے ہمارے اسلاف ائمہ وعلما نے جو عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں، اُنہیں آئندہ نسلوں تک پہنچانا علماے کرام کے ذمہ ایک اہم فریضہ ہے، خصوصاً انگریز کے کاشتہ فتنۂ قادیانیت کے ردّ میں اپنے مسلم اکابر کی روایات کو زندہ کرتے ہوئے اس شجرہ خبیثہ کو جڑ سے اُکھیڑنے اور عوام کو اس فتنے سے بچانے کے لئے ایسے نوجوان اہل علم جو علمی و عملی میدان میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کریں، کی کھیپ تیار کرنا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اسی ذمہ داری کو بجا لاتے ہوئے جامعہ کے مدیر التعلیم ڈاکٹر حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ نے اس سال مدارسِ دینیہ میں سالانہ تعطیلات کے موقع پر جامعہ لاہور الاسلامیہ میں 'ردّ قادیانیت کورس' کے انعقاد کا فیصلہ کیا اور اس کو طلبہ کے لئے مفید تر بنانے کی غرض سے رمضان المبارک سے قبل ختم نبوت کے ماہر علما واسکالرز پر مشتمل ایک مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں جناب مدیر التعلیم، شیخ الحدیث مولانا رمضان سلفی، اُستاذ العلماء مولانا محمد شفیق مدنی، نائب مدیر التعلیم مولانا حافظ شاکر محمود، پروفیسر محمد اکرم نسیم جج، مناظر اسلام مولانا خاور رشید بٹ، پروفیسر سمیر ملک، نومسلم ماہر قادیانیت (سابق قادیانی) محترم عرفان محمود برق، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ قاری ریاض احمد فاروقی، مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم شعبہ تبلیغ لاہور مولانا عبدالعزیز، ماہر قادیانیت محترم جناب قیصر مصطفیٰ اور دیگر احباب نے شرکت فرمائی اور کورس کو بہتر بنانے کے لئے تجاویز وآرا کے ساتھ ساتھ اپنے تجربات سے بھی آگاہ کیا، جس کو مدنظر رکھتے ہوئے انتظامیہ نے پروگرام کو حتمی شکل دینے کے علاوہ مجلس میں تجویز کردہ ایسی کتب خریدنے کا بھی اہتمام کیا جو کہ عقیدہ ختم نبوت اور ردِّ قادیانیت کے موضوع پر طلبہ کے مطالعہ کو وسعت دینے کے لئے از حد ضروری تھیں۔ ان حضرات سے دوران مشاورت جہاں اس کورس کی سرپرستی کی گذارش کی گئی وہاں اُن سے اس سلسلہ میں مفید ترین کتب کی نشاندہی اور محاضرات کے اہم موضوعات کی سفارشات کا بھی تحریری تقاضا

[1] استاذ جامعہ لاہور الاسلامیہ، گارڈن ٹاؤن لاہور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کیا گیا۔

تحفظ ختم نبوت کے ان مجاہدین نے درج ذیل کتب کی مشترکہ طور پر نشاندہی کی جن کو جامعہ کی لائبریری میں طلبہ کے استفادے کے لئے خرید لیا گیا، قادیانیت کے خلاف نمائندہ کتب کے نام حسب ذیل ہیں:

① محمدیہ پاکٹ بک — مولانا عبداللہ معمار
② شہادۃ القرآن — مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی
③ حیات مسیح حیات مرزا — پروفیسر اکرم نسیم حجہ
④ احتسابِ قادیانیت — ۵۰ جلدیں
⑤ قادیانیت اپنے آئینے میں — صفی الرحمٰن مبارکپوری
⑥ مرزا قادیانی کی مکمل کتب: روحانی خزائن، تذکرہ، ملفوظات، مکتوبات، مجموعہ اشتہارات، اور سیرۃ المہدی وغیرہ
⑦ تحفہ قادیانیت ۶ جلدیں مولانا یوسف لدھیانوی
⑧ قادیانی شبہات کے جوابات ۳ جلد مولانا اللہ وسایا
⑨ رد قادیانیت کے زریں اُصول مولانا منظور چنیوٹی
⑩ اسلام اور مرزائیت — علامہ احسان الٰہی ظہیر
⑪ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ — پروفیسر الیاس برنی
⑫ ثبوت حاضر ہیں — محمد متین خالد
⑬ قادیانیت سے اسلام تک
⑭ پارلیمنٹ میں قادیانی شکست — محمد متین خالد
⑮ قادیانیت اسلام اور سائنس — عرفان محمود برق
⑯ کامیاب مناظرہ — متین خالد
⑰ قادیانی فتنہ کا تعاقب — شاہد حمید
⑱ رئیس قادیان — رفیق دلاوری
⑲ تاریخ احمدیت — دوست محمد شاہد

قادیانیت کی تردید کے لئے محاضرات کے مرکزی عنوان درج ذیل تجویز کئے گئے:

① مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیت، دعوے، تحریک اور انجام
مرزا کی تاریخ، اخلاقِ مرزا
تاریخ اہل حدیث در ردِّ مرزائیت
مرزائیت اور جہاد، مرزائیت اور انگریز
مرزائیت اور اقبال، مرزائیت اور پاکستان
مرزائیت اور کشمیر
دورِ حاضر اور قادیانیت

② قادیانیوں کے عقائد
قادیانی کافر کیوں؟
مرزا کی گستاخیاں
اہل قبلہ کی تکفیر
قادیانی عقائد

③ قادیانیوں کے مسلمانوں سے مسائل اختلاف
مسئلہ حیات ووفات مسیح
امکان نبوت و ختم نبوت
مرزا کی حقانیت کے دلائل اور ان کی حقیقت
مرزا کی پیشین گوئیاں

④ مرزا کے دعوے
الہاماتِ مرزا.... کیا مرزا مسیح موعود ہے؟
کیا مرزا مہدی ہے؟... کیا مرزا نہیں ہے؟
کیا مرزا مجدد ہے؟

⑤ مرزا کے خلاف کتب کا تعارف
مولانا ثناء اللہ امرتسری کی کتب کا تعارف
شہادت القرآن از مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی
محمدیہ پاکٹ بک اور تعارف

⑥ مرزا کے حواری و خلفا
مرزائی خلافت اور اس کی حقیقت
مرزائی خلفا کی سیرت و کردار
تعارف... مرزا کے حواری

⑦ قادیانیوں کے خلاف مشہور مناظرے
مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ آخری فیصلہ

⑧ فرق
قادیانی اور لاہور گروپ میں کیا فرق؟

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بہائیت اور مرزائیت کا تقابل

چونکہ دورِ نحو و صرف اور ختم نبوت کورس دونوں کو دورانِ رمضان ساتھ ساتھ چلانے کا انتظام کیا گیا تھا، اس لئے ردِ قادیانیت کورس کے لئے رمضان میں پہلے تین ہفتوں کے دن مختص کئے گئے جن میں روزانہ چار لیکچر ہوتے، تین صبح ۸ بجے تا اذان ظہر اور ایک نمازِ عصر کے بعد، تاہم آخری دن پانچ لیکچر ہوئے۔ آخری لیکچر میں سوال وجواب کی نشست بھی ہوتی۔

۴رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ بمطابق ۱۳ جولائی ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ مرزا کی تاریخ اور حالات پر سیالکوٹ سے تشریف لانے والے پروفیسر محمد اکرم نسیم جججہ کے لیکچر سے پروگرام کا آغاز ہوا جس میں مرزائی کتب کے حوالے سے مرزا قادیانی کے خاندانی حالات، مرزا کی پیدائش اور تاریخ پیدائش، اس کا بچپن اور تعلیم، شادی، باپ کی پنشن کی رقم اُڑا کر عیاشی کرنا، اور پھر اس کی پاداش میں گھر سے بھاگ کر سیالکوٹ کچہری میں ملازمت، خاندانی جائداد کی بازیابی کے لئے مقدمہ بازی، دینی کتب کا مطالعہ، اس دور میں ہندوستان کے لوگوں کی مذہبی حالت اور مرزا کی غیر مسلموں کو مذہبی معاملات میں چیلنج اور اشتہار بازیاں، براہین احمدیہ کی تالیف، دوسری شادی، اولاد اور پہلی بیوی کو طلاق، محمدی بیگم سے شادی کی خواہش و کوشش بلکہ جتن، مریدوں سے بیعت لینا، مرزا کو لاحق امراض اور گھریلو حالات سمیت مرزا کی زندگی کے مختلف گوشے مرزائی کتب کے حوالے سے بے نقاب کرتے ہوئے فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ مرزا کے آخری فیصلہ اور پھر اس میں مرزا کی طرف سے تجویز کردہ مرض وبائی ہیضہ کے ساتھ عبرتناک انجام سے دوچار ہوتے ہوئے مرزا قادیانی کی موت کو بیان کیا گیا جو مرزا کے مفتری اور کذاب و دجال ہونے پر کھلی نشانی ہے۔ ان کے بعد دوسرے مدرّس و محاضر حافظ عطاء الرحمٰن علوی نے تدریسانہ انداز میں، مرزا کے اخلاق و کردار کے عنوان پر لیکچر دیتے ہوئے اس کے جھوٹ، دعدہ خلافی، مکاری ودغابازی وغیرہ انتہائی گھٹیا قسم کے خصائل جو کہ مرزا کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھے، مرزائی کتب کے حوالوں سے بیان کیے اور پھر قرآن میں موجود اہل اللہ کی صفات کے ساتھ ان کا موازنہ کرتے ہوئے واضح کیا کہ ایسے اوصافِ خبیثہ اولیاء الشیطان میں پائے جاتے ہیں نہ کہ اللہ کے نبی، ولی ایسے کردار کے حامل ہوتے ہیں۔

دیکھیں مرزا کس طرح لوگوں کا مال بٹورنے کے لئے اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کا نعرہ لگا کر ایسے تین سو دلائل جن کو کوئی توڑ نہیں سکتا، پر مشتمل ۵۰ حصوں میں براہین احمدیہ نامی کتاب لکھنے کا اعلان ودعدہ کرتا اور غیر مسلموں کو چیلنج بھی کرتا ہے اور مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرتا ہے کہ یہ اسلام کا وکیل ہے۔ اور لوگوں سے اس کی پیشگی قیمت وصول کرلیتا ہے بلکہ فنڈ بھی اکٹھا کرتا ہے لیکن بڑی مشکل سے پانچ حصے لکھ کر بس ہو جاتی ہے جبکہ ان پانچ کا بھی حقیقت سے تعلق نہیں اور جب لوگ رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں جواب ملتا ہے کہ یہ پانچ اصل میں پچاس ہی ہیں کیونکہ پانچ اور پچاس میں فرق صرف ایک صفر کا ہی تو ہے۔

محترم عرفان محمود برق کے لیکچر کا عنوان تھا 'قادیانی عقائد اور ان کا کفر' جسے اُنہوں نے خطیبانہ اور عقیدہ ختم نبوت کی محبت میں ڈوب کر بیان کرنے کے ساتھ اپنے قبول اسلام کی داستان اور اسباب اور قادیانیوں کے مسلمانوں کے متعلق غلیظ نظریات اور نفرت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کے طریقہ واردات کو بھی کھول کر بیان کیا کہ وہ کس طرح مسلمانوں کو مرتد بناتے ہیں۔ انہوں نے مختلف دلائل سے مرزا کے گھر اور اس کے نام نہاد خلفا میں ہونے والی حرام کاریوں کو بھی واضح کیا۔ نمازِ عصر کے بعد حافظ عتیق الرحمٰن علوی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نے 'دعاوی مرزا' کے عنوان پر تدریسانہ انداز کو اپناتے ہوئے مرزا کے دعویٰ جات کو تین اَدوار میں تقسیم کرکے بیان کیا۔ ۱۸۷۸ء میں مضمون نگاری، اشتہار بازی سے مرزا نے شہرت حاصل کی۔ البتہ مرزا کے دعاوی کے اعتبار سے پہلا دور ۱۸۸۰ء تا ۱۸۹۰ء ہے۔ ۱۸۸۰ء میں ملہم و محدَث ہونے اور پھر اپنے مجدد ہونے کے ساتھ ساتھ مسیح کی طرز پر مامور ہونے اور مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ دوسرا دور ۱۸۹۱ء تا ۱۹۰۰ء ہے۔ ۱۸۹۱ء میں فتح الاسلام، توضیح المرام اور ازالۂ اوہام نامی کتب میں عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ اپنا کر ایک نئی بحث چھیڑ دی اور اپنے لئے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعوی کر دیا کہ مسیح جن کی آمد کا احادیث میں تذکرہ ہے وہ میرا ہی تذکرہ ہے اور یہ کہ مہدی بھی نہیں ہو گا لیکن بعد ازاں کہنے لگے کہ مسیح اور مہدی دو شخصیات نہیں ہیں بلکہ ایک ہی انسان ہے اور وہ میں ہوں اور جب اعتراض ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تو مریم علیہا السلام ہے جبکہ مرزا کی ماں کا نام چراغ بی بی ہے تو مرزا نے مریم ہونے کا دعویٰ کر دیا اور پھر خود مرزا صاحب کو حمل ہو گیا جو دو سال سے زائد عرصہ رہا اور پیدائش اس طرح ہوئی کہ مریم اندر ہی اندر عیسیٰ بن گیا اور ایک دن کا بچہ یک دم پچاس سال کا مرزا قادیانی بن گیا۔ اسی دوران مسیح و مہدی کے علاوہ مرزا نے اپنے لئے نبی بمعنی محدث کے الفاظ بھی استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ تیسرا دور ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۸ء ہے۔ ۱۹۰۱ء میں اُمتی نبی اور بروزی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر صاحبِ شریعت بھی بن بیٹھا حتیٰ کہ خدائی دعوے بھی کر ڈالے۔

۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ بمطابق ہفتہ ۲۰ جولائی کو پروگرام کا آغاز، مرزا کی پیشین گوئیاں اور الہامات کے عنوان پر محترم جناب قیصر مصطفیٰ کے لیکچر سے ہوا۔ اُنہوں نے کہا کہ مرزا قادیانی کے بقول اس کے صدق و کذب کو جانچنے کے لئے اس کی پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں اور یہ کہ پیش گوئی وہ ہے جو پیش گوئی کرنے والے کی صدق و کذب کی دلیل ہو نہ کہ خود دلیل کی محتاج ہو۔

مرزا کی بیوی حاملہ تھی، موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس نے اپنے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی پیش گوئی کر دی جو کہ بڑی جلدی بڑھے گا، خیر و برکت کا باعث ہو گا، پر شکوہ و عظمت ہو گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ تین کو چار کرنے والا ہو گا وغیرہ وغیرہ اور اس سے بہت اُمیدیں وابستہ کرکے بڑی اشتہار بازی اور اعلانات کرنے کے ساتھ ساتھ الہام کا دعویٰ بھی کر دیا لیکن لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہو گئی۔ پھر طرح طرح کی تاویلات اور حیلے سازیاں کرنے لگا۔ بالآخر جب مرزا کا آخری بیٹا مبارک احمد پیدا ہوا تو مرزا نے اسے اس پیش گوئی کا مصداق قرار دے دیا اور جب وہ بیمار ہوا تو اسے بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن وہ بھی تقریباً ۹ سال کی عمر میں مر گیا تو مرزا کی ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں اور اس کا کذاب ہونا ایک بار پھر دنیا پر واضح ہو گیا۔

اسی طرح مرزا نے اپنے ایک رشتہ دار کی بیٹی محمدی بیگم نامی لڑکی سے خدا کے 'الہام کے مطابق' شادی کی پیش گوئی کر دی اور اس کے لئے بڑے جتن کیے بلکہ مرزا کے الہامات کے مطابق آسمان پر خدا نے یہ شادی مرزا سے کر دی تھی لیکن اس لڑکی کی شادی مرزا کی بجائے سلطان احمد نامی ایک آدمی سے ہو گئی تو پھر مرزا کو الہام ہونے لگے کہ اس کا خاوند اڑھائی سال کے عرصے میں مر جائے گا اور یہ لڑکی مرزا کے عقد میں آجائے گی لیکن یہ بستر عیش بھی مرزا کے لئے سج نہ سکا اور شادی کی حسرت دل میں لئے مرزا دنیا سے چل بسا جبکہ وہ عورت مرزا کے بعد بھی لمبا عرصہ زندہ رہی اور صاحبِ اولاد بھی تھی۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ قاری ریاض احمد فاروقی نے 'مرزا کی گستاخیاں' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے مرزائی کتب کے حوالہ جات سے بیان کیا کہ مرزا نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، رسول کریم ﷺ او راللہ تعالیٰ کی گستاخیاں کی ہیں، حتیٰ کہ خدا ہونے کے دعوے بھی کیے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: "قادیانیت اپنے آئینے میں" از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

مجاہد ختم نبوت جناب متین خالد نے 'قادیانیوں کی قانونی اور آئینی حیثیت' کے عنوان پر بیان کرتے ہوئے ابتدا میں بعض ایسے واقعات اور حوالہ جات پیش کئے جن سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قادیانیوں کو کافر قرار دینا کیوں ضروری تھا اور پھر کیسی جدوجہد اور پارلیمنٹ میں کس طرح اُن کو کافر قرار دیا گیا اور آئین کی کون کون سی شق کس طرح اُن پر لاگو ہوتی ہیں، اِسے واضح کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ یہ لوگ پاکستانی قانون تسلیم نہیں کرتے اور اِس کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے اب بھی آئین کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے مدیر محدث اور جامعہ کی انتظامیہ کو بھی توجہ دلائی کہ وہ حکمرانوں تک آواز پہنچا کر اس قانون شکنی کی طرف اُن کی توجہ مبذول کروائیں۔

نمازِ عصر کے بعد مناظر اسلام مولانا خاور رشید بٹ نے حیات و وفات اور نزولِ مسیح کے موضوع پر بڑی مدلل اور تفصیلی گفتگو فرمائی جس میں قادیانی حضرات کی طرف سے پیش کیے جانے والے شبہات کو ایک ایک کرکے وائٹ بورڈ پر لکھتے اور قرآن وحدیث اور خود مرزا کی کتابوں سے ان کے جوابات باحوالہ بیان فرماتے۔ جوابات پر قادیانی سوالات و اعتراضات اور پھر اُن کے جواب الجواب بھی بتاتے۔ لیکچر میں خالص مناظرانہ اور علمی رنگ ہونے کے باوجود بیان اور سمجھانے کا انداز عام فہم اور تدریسانہ تھا۔

کورس کے آخری دن ۲۷ جولائی کو پروفیسر سمیر ملک صاحب نے "قادیانی سوالات و اعتراضات اور ان کے جوابات" کو قادیانیوں کے ساتھ نیٹ پر ہونے والے اپنے مباحثوں کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے انتہائی دلچسپ بنا دیا۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ ایک مرزائی مناظر کہنے لگا کہ یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھ گیا ہے۔ کہاں ہے عیسیٰ؟ کدھر گیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ جدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے ہیں اُدھر ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ تو وہ کہنے لگا کہ بس مسئلہ حل ہوگیا ہے کیونکہ موسیٰ تو فوت ہو چکے ہیں لہٰذا عیسیٰ بھی فوت ہوگئے، تو میں نے کہا کہ مرزا نے روحانی خزائن ۸/۶۹ میں لکھا ہے کہ موسیٰ مرد خُدا آسمان پر گیا اور اسے موت نہیں آئی، تو وہ قادیانی مناظر حوالہ چیک کرنے کے باوجود لاجواب ہوگیا اور میدان سے بھاگ گیا۔

تضاداتِ مرزا کے عنوان پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغ وراہنما سید انیس شاہ صاحب کا خطاب تھا لیکن وہ تشریف نہ لاسکے اور ان کی بجائے عالمی مجلس کے ہی مبلغ مولانا منیر احمد نے بیان فرمایا اور قادیانی مزاج اور طریقہ گفتگو کے متعلق قیمتی معلومات بہم پہنچائیں۔

اُن کے بعد محترم جناب عرفان محمود برق نے 'قادیانی اور لاہوری گروپ؛ اختلاف اور وجہ اختلاف' کے موضوع پر پُرجوش خطاب فرماتے ہوئے واضح کیا کہ لاہوری گروپ کا لیڈر محمد علی لاہوری مرزا کے قریبی ساتھیوں میں سے تھا اور مرزا کے پہلے خلیفہ حکیم نور الدین کی موت تک اُن کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور نور دین کے بعد بھی ان کا مذہب اور عقائد میں اختلاف نہیں ہوا تھا بلکہ خلیفہ کے انتخاب کے حوالے سے سیاسی اختلاف ہوا جس میں مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر الدین محمود صرف ایک ووٹ سے جیت کر خلیفہ بن گیا جبکہ محمد علی ہار گیا اور لاہور منتقل ہو کر اس

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نے اپنا ایک علیحدہ مرکز اور گروہ بنالیا۔ پھر اپنی شناخت کے لئے کچھ اختلاف بنالئے گئے اور کچھ بن گئے اور راولپنڈی میں ان کا مشہور مناظرہ بھی ہوا تھا جس میں گھر کے بھیدی محمد علی نے مرزا محمود کے کردار کی حقیقت خوب آشکار کر کے ثابت کیا کہ ایسا آدمی خلیفہ بننے کا اہل نہیں ہے۔

قادیانیت کے خلاف درجنوں کتب کے مصنف محترم جناب طاہر عبدالرزاق نے 'قادیانی سازشیں' کے عنوان پر گرج دار لب ولہجہ میں خطاب فرماتے ہوئے صحابہ کرامؓ کی تحفظِ ختم نبوت کے لئے لازوال قربانیوں، اسود عنسی کو قتل کرنے اور ماضی میں اُمتِ مسلمہ کے جرأت مندانہ کردار کو بیان کرتے ہوئے قادیانی فتنہ سے عوام کو بچانے پر زور دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ سیدنا عمر فاروق نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہما سے اپنی زندگی بھر کے بدلے اُن کے ایک دن اور ایک رات کا عمل کا مطالبہ کیا تھا، اور وہ دونوں صدیقی عمل رسالت مآب کے تحفظ کے حوالے سے ہیں: ہجرت کے ساتھی اور اس دوران رسول کریم کے مدافع اور مسیلمہ کذاب کے خلاف لشکر کشی پر اصرار... اس سے تحفظ رسالت کے عقیدہ کی اہمیت آشکارا ہوتی ہے۔

نمازِ عصر کے بعد اس پروگرام کے آخری لیکچر میں مناظر اسلام مولانا خاور رشید بٹ صاحب نے 'مرزا کی حقانیت کے دلائل اور ان کی حقیقت' کے عنوان پر اپنے مخصوص مناظرانہ اور تدریسی وعلمی انداز میں قرآن مجید کی آیت ﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ﴾[1] سے مرزائیوں کے استدلال کو توڑتے ہوئے مرزائی کتب کے حوالوں سے مرزا قادیانی کے بعض واقعاتِ زندگی پیش کیے جو کہ اس کے مجدد و مسیح ومہدی اور نبی کے معیار پر پورا نہ اُترنے کے واضح ثبوت تھے۔

اسی طرح مرزا کی حقانیت کے لئے سنن دار قطنی کے حوالے سے ایک روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی کی زندگی میں یکم رمضان کو چاند گرہن اور نصف رمضان کو سورج گرہن ہوگا۔ اور مرزا کی زندگی میں ایسے ہوا ہے لیکن یہ روایت کسی طرح بھی ان کی دلیل نہیں بنتی کیونکہ یہ نبی پاک ﷺ کی حدیث نہیں بلکہ یہ تو امام باقر کی طرف منسوب ایک قول ہے اور یہ امام باقر سے بھی ثابت نہیں بلکہ انتہائی ضعیف ہے۔ اس کی سند میں جابر جعفی اور عمرو بن شمر ہیں اور اس میں بھی یکم رمضان اور نصف رمضان کو گرہن لگنے کی بات ہے جبکہ مرزا کی زندگی میں چاند گرہن یکم نہیں بلکہ ۱۳ رمضان اور سورج کو ۱۵ رمضان نہیں بلکہ ۲۸ رمضان المبارک کو گرہن لگا تھا لہٰذا یہ کسی اعتبار سے بھی مرزائیوں کی دلیل نہیں بنتی۔

جامعہ کے سینئر اساتذہ کرام بالخصوص جناب شیخ الحدیث اور مدیر التعلیم، ان محاضرات میں باقاعدگی سے تینوں دن موجود رہے۔ پروگرام کے آخری دن آخری محاضرہ کے بعد اُستاذِ محترم شیخ الحدیث مولانا رمضان سلفی صاحب نے طلبہ کو نصیحت کی کہ علم کے ہتھیار سے مسلح ہو کر اور اس میں مہارت پیدا کر کے میدان میں اُتریں اور فتنہ قادیانیت کے خلاف بھرپور انداز میں کام کریں اور حافظ حسن مدنی صاحب نے اپنے اختتامی کلمات میں اس کورس اور کام کی اہمیت اور مقصد کو واضح کرتے ہوئے ماضی میں اسلاف کی خدمات اور کام کی طرف بھی توجہ دلائی کہ ہمیں اپنی اس کھوئی ہوئی میراث کو حاصل کر کے ماضی کے کردار کو پھر سے زندہ کرنا ہوگا تبھی ان کے حقیقی وارث ہونے پر فخر کر سکیں گے۔ اُنہوں نے طلبہ کو توجہ دلائی کہ مرزا کے خلاف پہلا فتویٰ اہل حدیث تحریک کی

[1] سورہ یونس:۱۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مرکزی شخصیت سید نذیر حسین دہلوی نے دیا، اہل حدیث عالم دین مولانا محمد حسین بٹالوی اُن کے خلاف سرگرمِ عمل ہوئے، مرزائیت کے خلاف اہم ترین کتاب شہادۃ القرآن مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی نے یوں لکھی کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے کہا کہ اس کے بعد اس موضوع پر مزید تصنیف و تحقیق کی گنجائش ختم ہوگئی ہے۔ علمائے اسلام نے مشترکہ طور مولانا ثناء اللہ امرتسری کو فاتح قادیان کا لقب دیا، اور ان کو مباہلہ کا چیلنج دے کر مرزا مئی ۱۹۰۸ء میں لاہور میں ہیضہ سے مارا گیا، جبکہ مولانا امرتسری اس کے بعد مزید ۴۰ برس دن متین کی خدمت کرتے رہے۔ مرزا قادیانی کے طعن و تشنیع کا مرکز علمائے اہل حدیث بنے رہے اور اُنہوں نے اس فتنہ کا خوب استیصال کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ آج بھی بہت سے اہل حدیث علما قادیانیت کی بیخ کنی میں اپنی صلاحیتیں صرف کررہے ہیں، تاہم ہمیں اپنے اسلاف کی طرح اس سلسلے میں مزید درمزید محنت کی ضرورت ہے، یہ مسابقت فی الخیر کا میدان ہے اور اس کورس کے شرکاء سے ہم اسی جدوجہد اور علمی جہاد کی توقع کرتے ہیں۔

آخر میں جامعہ کی طرف سے مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی وقیع تصنیف 'قادیانیت اپنے آئینے میں' اور ختم نبوت کے بعض کتابچے طلبہ میں تقسیم کیے گئے تاکہ اُن اس سلسلے میں مطالعہ کا ذوق پیدا ہو اور طلبہ کو اس کورس سے جو رخ ملا ہے، اس سے کام کرنے کے لئے مزید راہیں کھلیں۔ اِن شاء اللہ

تقریب بخاری کے خطابات اور ردّ قادیانیت کورس میں ہونے والے تینوں دنوں کے ۱۵ لیکچرز پر مشتمل سی ڈی جامعہ کے دفتر سے مل سکتی ہے اور محدث کی ویب سائٹ www.kitabosunnat.com پر بھی یہ لیکچرز سنے جاسکتے ہیں۔

'ردّ قادیانیت کورس' کے حوالے سے طلبا میں بڑا جوش اور شوق دیکھنے کو ملا۔ طلبا کا کہنا تھا کہ اگر ہم ادھر نہ آتے اور اس کورس میں شرکت نہ کرتے تو شاید ہم قادیانیت کو نہ سمجھ پاتے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس کورس کی بدولت نہ صرف ہم کسی قادیانی سے مباحثہ کرسکتے ہیں بلکہ اس کو لاجواب بھی کرسکتے ہیں۔ شرکا اساتذہ کے اندازِ تدریس سے بھی بہت متاثر ہوئے اور ان کی زبانیں اساتذہ کی مدح میں تر نظر آئیں۔

(4) دورۂ نحو و صرف

تحریر: حافظ شاکر محمود[1]

عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ ہمارا قرآن وحدیث کی تعلیمات سے رابطہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہونا از حد ضروری ہے۔ قرآن کا علم ہی وہ ہے جو معاشرے کو درست سمت اور صحیح قالب میں ڈھالتا ہے۔ علوم اسلامیہ میں رسوخ کے لئے عربی زبان کی مہارت از بس ضروری ہے اور عربی کے بہتر فہم کے لئے عربی قواعد نحو وصرف کی مہارت و مشق کے بغیر چارہ نہیں۔

اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جامعہ لاہور الاسلامیہ میں طلبہ کو عربی زبان کے اُصول ومبادی سے واقفیت کے لئے ۲۳ روزہ دورۃ النحو والصرف کا اہتمام کیا گیا کہ رمضان کی بابرکت ساعتوں میں جہاں وہ الٰہی رحمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹیں، وہیں نحو وصرف کے بنیادی مباحث کو بھی سیکھ سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ طلبا کی فکری رہنمائی اور دورِ حاضر کے فتنوں سے اُنہیں آشنا کرنے کے لئے 'ردّ قادیانیت' پر محاضرات کا اہتمام بھی کیا گیا، جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ میں بیسوں لوگ اسلام کے پردے میں اپنے باطل نظریات کا پرچار کرنے میں سرگرم ہیں، اور یہ لوگ باطل نظریات کے لئے لغوی مباحث

[1] نائب مدیر التعلیم جامعہ لاہور الاسلامیہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کو بنیاد بنا کر غلط استدلال اور عربی عبارات میں تحریف وتاویل کر کے اپنے غلط موقف کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے عربی گرامر سے ناواقف لوگ ان کے دامِ فریب میں آکر صراطِ مستقیم اور منہج سلف کو چھوڑ کر ان کے باطل نظریات کو اپنا لیتے ہیں، اس لئے ایسے لوگوں کی گرفت اور بھٹکے ہوؤں کی رہنمائی کے لئے ایسے ماہرین کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کی صحیح معنوں میں رہنمائی کر سکیں اور فتنوں کا بروقت تعاقب کر سکیں۔

اسی غرض سے یہ مختصر عربی ریفریشر کورس ترتیب دیا گیا جس میں عصری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید طریقہ تدریس اپنایا گیا جس سے اس دورہ کی افادیت میں ہر چند اضافہ ہوا۔

دورۃ النحو کے لئے اسلامک ایجوکیشنل انسٹیٹیوٹ مہنتانوالہ کے نامور اُستاد مولانا مختار احمد صاحب نے دورانِ رمضان جامعہ ہذا میں قیام کیا اور روزانہ صبح ۸ تا ۱۱ بجے، طلبہ کو اپنی مقبول تصنیف 'مختار النحو' جسے دورہ نحو کے نقطہ نظر سے تیار کیا گیا ہے، کی تدریس کی۔ نقشوں اور وائٹ بورڈ کے مسلسل استعمال اور سوال وجواب کے ذریعے اُنہوں نے طلبہ کو نحو کے تمام بنیادی مباحث بخوبی ذہن نشین کرائے۔ ۱۱ بجے تا نمازِ ظہر راقم الحروف طلبہ کو علم الصرف کی تعلیم وتربیت دیتا رہا، جس کے لئے بھی مولانا مختار احمد کی ہی علم الصرف پر تصنیف کو پیش نظر رکھا گیا، بعض مقامات پر ضروری ترمیم اور اضافہ جات کے ساتھ یہ تدریس بخوبی جاری رہی۔ نمازِ ظہر تا عصر طلبہ آرام کرتے، جبکہ نمازِ عصر کے فوری بعد جامعہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ کسی ایک حدیثِ نبوی کی عربی تحلیل وترکیب کراتے۔ شام ۵ بجے تا ۶:۳۰، دوبارہ مولانا مختار صاحب شرکائے دورہ کو مذاکرہ اور عملی مشق کرواتے۔ یہ سلسلہ اسی طرح مسلسل ۲۲ دن جاری رہا، آخری دن طلبہ کا ٹیسٹ ہوا، جس میں ۱۰۰ نمبر کا ٹیسٹ علم النحو والصرف کے سوالات پر مشتمل تھا جبکہ ۲۵،۲۵ نمبر حفظِ قرآن اور مسنون ادعیہ کے لئے مخصوص تھے۔ کامیاب ہونے والے طلبہ میں اسناد اور انعامات تقسیم کئے گئے۔

نظامِ تربیت

اُسوہ رسول ﷺ کو بنیاد بناتے ہوئے شرکائے کورس کے لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی اہتمام کیا گیا تھا جس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے کہ شرکا کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایسے تمام اعمال کو بجا لائیں جو اللہ کے قرب ورضا کا ذریعہ ہیں اور اس کے لئے اُنہیں ماحول کے ساتھ ساتھ محاسبہ کا ایک نظام دیا گیا تاکہ ہر فرد یہ جان لے کہ اس میں کیا کوتاہی پائی جاتی ہے اور وہ اس کمی کو کیسے پورا کر سکتا ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں فرمانِ نبوی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اجر اکیلے نماز پڑھنے سے ۲۷ درجے زیادہ ہے۔ ماہِ رمضان میں طلبہ کی تربیت کے لئے ان کو جامعہ کا ہی شائع شدہ کارڈ فراہم کیا گیا جس میں پنج وقتہ نماز کے علاوہ، اشراق وتہجد اور مسواک وتلاوتِ کلام مجید کی تفصیلات درج کر کے نمبر جمع کئے جاتے ہیں۔ اس کارڈ میں تکبیر تحریمہ میں شرکت کے علاوہ، رہ جانے والی رکعات کی تفصیل بھی درج کر کے اس کا ٹوٹل حاصل کر لیا جاتا۔

تلاوتِ کلام الٰہی ایک ایسا مبارک عمل ہے جس کی ترغیب کے بارے میں بیسیوں آیات واحادیثِ مبارکہ ملتی ہیں۔ روزانہ نمازِ فجر کے بعد نصف گھنٹہ تلاوت وحفظِ قرآن کے لئے مخصوص کیا گیا اور آخر میں مرکزی رزلٹ میں نصف پارہ حفظِ قرآن کا امتحان بھی لیا گیا۔

صبح وشام کے اذکار کی اہمیت کا اندازہ قرآن کریم کی اس آیت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے: ﴿فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ﴾[1]... شرکائے دورہ کو ادعیہ ماثورہ پر مشتمل 'حصن المسلم' کا ایک ایک کتابچہ دیا گیا اور فائنل امتحان میں ان دعاؤں کے حفظ کے لئے بھی ۲۵ نمبر مختص کئے گئے۔ نیز اذکار صبح وشام پر مشتمل ایک یاد داشتی کارڈ بھی طلبہ کو دیا گیا جس میں ۱۵،۱۵ مسنون اذکار کی ترغیب اور اُن کے الفاظ درج تھے۔ اساتذہ کرام طلبہ کو ان سرگرمیوں کی ترغیب دیتے، نگرانی کرتے اور ان کا جائزہ اپنے پاس درج کرتے جاتے۔

شرکائے دورہ کے لئے نماز اشراق اور تراویح کی پابندی کا پورا انتظام کیا گیا تھا، جس میں ان کی حاضری باقاعدہ لگائی جاتی تھی، جبکہ تحیۃ المسجد کی بھی اُنہیں ترغیب دی جاتی رہی۔ دورہ کی کلاسز نمازِ اشرق سے شروع ہو کر روزانہ افطار کی مبارک دعاؤں پر ختم ہوتیں جس کے درمیان ظہر تا عصر آرام کا وقفہ ہوتا۔ غرض تربیتی نظام، حفظِ قرآن وادعیہ مسنونہ، اشراق وتہجد، باجماعت نمازوں کی پابندی اور مسواک وطہارت پر مبنی تھا جس کی بنا پر طلبہ کو قیمتی انعامات سے بھی نوازا گیا۔

تقریب تقسیم انعامات واسناد

۲۷ شعبان بروز پیر سے جاری دورہ نحو وصرف کا اختتام ۲۱ رمضان المبارک بروز بدھ ہوا۔ ۱۰ بجے طلبہ کا امتحان ہوا، نمازِ ظہر کے بعد انہوں نے مجلس التحقیق الاسلامی کے منصوبوں، مرکزی لائبریری اور کتاب وسنت ویب سائٹ کے دفاتر کا دورہ کیا۔ اسی روز تقریبِ تقسیم اسناد و انعامات نمازِ عصر کے بعد منعقد ہوئی جس میں طلبا کو اسناد دی گئیں اور ممتاز پوزیشن حاصل کرنے والے طلبا کو انعام واکرام سے نوازا گیا۔ دورہ کے طلبہ سے ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ نے بھی خطاب کیا، جس میں اُنہوں نے دنیا جہاں پر اللہ کی رضا کو فوقیت دینے کے موضوع پر درسِ حدیث دیا۔

تقریبِ اسناد کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ کلام مجید سے کیا گیا، اس کے بعد حمدِ باری تعالیٰ اور نعتِ مقبول کا نذرانہ پیش کیا گیا۔ تقریب کی کارروائی کو آگے بڑھاتے ہوئے طلباء کو بھی اظہارِ خیال کا موقع دیا گیا۔ مقررین نے اپنے اپنے انداز میں حاضرین مجلس کی ذہنی و فکری رہنمائی کی اور کامیاب کورس کے اختتام پر انتظامیہ کو مبارکباد دی اور آئندہ بھی اس طرح کے پروگرام جاری رکھنے کی تاکید کی۔ دورہ کے اساتذہ مولانا مختار احمد (مصنف مختار النحو)، منتظم ومدرس حافظ شاکر محمود نے طلبہ کو قیمتی پند ونصائح کئے۔ آخر میں رزلٹ کا اعلان کرنے کے لئے ڈاکٹر حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ کو دعوت دی گئی جنہوں نے چند کلمات حاضرین مجلس کے گوش گزار کیے۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ دورہ کروانے کا مقصد عربی زبان کے اُصول و قواعد کی تربیت دینا ہے کیونکہ عربی قواعد سے لاعلمی انسان کو کسی بھی مرحلہ پر شرمندگی سے دوچار کر سکتی ہے، ایسا اُستاد نہ تو کامیاب تدریس کر سکتا ہے اور نہ عربی زبان کے مفہوم پر دسترس رکھ سکتا ہے۔ اُنہوں نے فضیلتِ علم پر احادیث نبویہ پیش کرتے ہوئے، طلبہ کو خلوص و تقویٰ کی تلقین کی۔ جن طلبہ نے چھٹیوں کے ان دنوں میں اپنی فرصت کو ان قیمتی مقاصد کے لئے قربان کر دیا، ان کو مبارک باد دیتے ہوئے اُنہوں نے انہیں شیطانی چالوں سے محتاط رہنے اور توجہ سے حصولِ علم کی ہدایت کی۔ اس کے بعد رزلٹ کا اعلان کیا گیا۔ جس میں اوّل، دوم اور سوم پوزیشن بالترتیب عمر فاروق، حافظ ذاکر یاسین اور اسد اللہ نے حاصل کی۔ پوزیشن ہولڈر طلبہ کو کتب کے ساتھ ساتھ بالترتیب تین، دو اور ایک ہزار نقد انعام سے بھی نوازا گیا۔ اسی طرح تربیتی لحاظ سے بہتر کارکردگی پیش کرنے والوں میں اوّل، دوم اور سوم پوزیشن درجات کے اعلان کے ساتھ مذکورہ بالا مالی انعام اُنہیں بھی دیا گیا۔ اس کے بعد تمام شرکا میں دینی کتب اور خوبصورت اسناد تقسیم کی گئیں۔

[1] سورۃ ق:۳۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

طلبا واساتذہ کے تاثرات

جب اساتذہ سے اس دورہ کے حوالہ سے تاثرات لیے گئے تو اُن کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اُن کا کہنا تھا کہ جس مقصد کے لئے ہم نے یہ دورہ شروع کیا تھا، الحمدللہ ہم نے اس کو بہتر طور پر حاصل کر لیا۔ اساتذہ کا کہنا تھا کہ ہم اس روایت کو قائم رکھتے ہوئے ان شاءاللہ آئندہ سال بھی اس دورے کو جاری رکھیں گے۔ انہوں نے کہا کہ طلبا کے لئے ہمارے دروازے کھلے ہیں، وہ جب چاہیں ہم سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ آخر کار طلبا کو پیغام دیتے ہوئے اُنہوں نے فرمایا کہ اب اس دورہ کو مکمل کر لینے کے بعد گھر کے درودیوار تک محدود نہ ہوں بلکہ عملی میدان میں اُتریں اور دینی علوم کی جستجو اور مروّجہ فتنوں کی سرکوبی کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔

آخر میں طلبہ سے دورہ کے حوالہ سے تاثرات معلوم کیے گئے تو سب کی رائے میں یہ دورہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد دورہ تھا کہ جس کی مثال خال خال ہی نظر آتی ہے۔ طلبہ کا کہنا تھا کہ یہ دورہ بہت ہی زیادہ کامیاب رہا اور ادھر آکر ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ کورس کے دوران طلبا کی جو اخلاقی تربیت کی گئی وہ قابل تعریف ہے۔ طلبا کا بھرپور مطالبہ تھا کہ ایسے دورے کو لازمی جاری رکھا جائے تاکہ طلبا کو عربی زبان کے بنیادی اُصولوں میں مہارت حاصل ہو سکے۔

(۵) قراے جامعہ اور مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم طلبہ کو دعوتِ افطار

تحریر: حافظ عبدالرحمٰن محمدی[1]

جامعہ لاہور الاسلامیہ لاہور کئی دہائیوں سے ابلاغ دین کے لئے علمی ودعوتی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل ہے۔ بلا مبالغہ جامعہ دوسرے جامعات کے مقابلے میں نمایاں ترحیثیت کا حامل ہے کیونکہ ملک اور بیرونِ ملک میں اکثر نامور علماے کرام اور قراے کرام جو خدمتِ دین میں مصروف ہیں وہ اسی علمی دانش گاہ کے فیض یافتہ ہیں اور ان کی دینی خدمات جامعہ کے لئے اہم اعزاز ہے۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ اپنے ان فیض یافتگان کے اعزاز و تکریم میں مختلف پروگرامز کا انعقاد کرتا رہتا ہے، ان میں سے ایک خصوصی پروگرام کا اہتمام رمضان المبارک کی بابرکت ساعتوں میں کیا جاتا ہے جس میں جامعہ کے ان قراء کرام جو ملک بھر کی بڑی بڑی مساجد میں تراویح پڑھا رہے ہیں اور جو طلبہ مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں، ان کو بطورِ خاص مدعو کیا جاتا ہے۔اس طرح کے پروگراموں کا مقصد ابناء الجامعہ سے رابطہ، اُن کی حوصلہ افزائی اور ان کی شفقت بھری تربیت کرنا ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ جامعہ کے ابناء اور فضلا میں تین درجن سے زائد تعداد ایسے قراے کرام کی ہے جو ملک بھر کی مرکزی مساجد میں اپنی خوبصورت آوازوں میں تراویح اور قیام اللیل کی امامت کرتے ہیں۔ ہر سال رمضان سے پہلے کے مہینوں میں بڑی مساجد کے منتظمین کی بڑی تعداد ایسے قرا کی خدمات حاصل کرنے کے لئے جامعہ کھنچی چلی آتی ہے۔ اپنے قرا کی حوصلہ افزائی کے لئے رمضان کے آخری عشرہ میں ہر طاق رات کو پانچ ممتاز قرا کو اپنی مادرِ علمی میں خوبصورت لحن میں دو رکعات نوافل کی امامت کا موقع دیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ کئی سالوں سے جاری وساری ہے۔

ہر سال کی طرح اس سال بھی ۱۸ رمضان المبارک بمطابق ۲۸ جولائی ۲۰۱۳ء بروز اتوار اس مبارک مجلس کا اہتمام پر تکلف دعوتِ افطار کی صورت میں کیا گیا جس میں ملک کے نامور قراے کرام اور علماے عظام نے

[1] فاضل جامعہ ہذا... حال متعلّم مدینہ یونیورسٹی

مجلس التحقيق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

شرکت کی۔ یہ پروگرام ہر سال جامعہ میں منعقد کیا جاتا ہے لیکن اس سال جامعہ کے ایک سرپرست خاندان کے شدید اصرار و محبت کی وجہ سے یہ پروگرام اُن کی رہائش گاہ پر منتقل کر دیا گیا۔ تاکہ بڑی تعداد میں آنے والے علماء و قراء کی خدمت کر کے وہ بھی اپنے نامہ اعمال میں اضافہ کر سکیں اور روحانی برکات سے مستفید ہو سکیں۔

پروگرام کے مطابق تمام مدعوین افطاری سے ۲۰، ۲۵ منٹ پہلے ہی پہنچ گئے۔ اس دورانیئے کو غنیمت جانتے ہوئے اُستاذِ محترم حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ نے حاضرین مجالس کے سامنے پروگرام کے پس منظر اور اس کی اہمیت و افادیت کو بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ جامعہ لاہور الاسلامیہ پاکستان میں ایک منفرد ادارہ ہے کہ جس میں سب سے پہلے کلیۃ القرآن کی ابتدا ہوئی تو اب الحمدللہ دوسرے مدارس نے بھی جامعہ لاہور الاسلامیہ کو نمونہ کے طور پر سامنے رکھ کر قرآنی علوم (قرأت و تجوید) پر باقاعدہ کام شروع کر دیا ہے۔ جس میں اسی جامعہ کے فارغ التحصیل قراء ہی بطورِ استاذ اس شعبہ کو چلا رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر قراء ہماری اس مجلس میں بھی موجود ہیں جو ہمارے لئے خوشی و مسرت کا باعث ہے۔

مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم طلباء اور ان کے تعلیمی میدان میں اعزازات و امتیازات کا ذکر کرتے ہوئے اُنہوں نے فرمایا کہ ہمارے اس جامعہ کے دو ہونہار طلبہ عبدالمنان نے پوری یونیورسٹی میں اوّل پوزیشن حاصل کی اور دوسرے حافظ زبیر نے چھٹی پوزیشن حاصل کی جبکہ اس یونیورسٹی میں پوری دنیا کے تقریباً ۱۶۰ ممالک سے ۲۰ ہزار کے لگ بھگ طلبا زیر تعلیم ہیں تو اتنی تعداد میں سے ممتاز پوزیشنیں حاصل کرنا واقعی جامعہ کے لئے ایک اعزاز ہے۔

آخر میں اپنی بات کو سمیٹتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ یہ تمام باتیں بیان کرنے کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ایک بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب قرآن مجید کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرے تو جب انسان کی یہ حالت و کیفیت ہو جاتی ہے تو اللہ ربّ العزت اس کو دنیا میں بھی عزت و بلندی سے نوازتے ہیں او رآخرت کی کامیابی بھی انہی کے لئے ہے۔ مذکورہ مثال سے اس بات کو اچھی طرح سے سمجھا جاسکتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرے۔

آپ ﷺ کا فرمان ذی شان ہے:

"دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ آدمی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دولت سے نوازا تو وہ دن کے وقت اور رات کی گھڑیوں میں اس کی تلاوت کرتا ہے اور دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا کیا تو وہ دن رات اللہ تعالیٰ کے راستے میں (دین کی سربلندی کے لئے) خرچ کرتا ہے۔"[1]

تو ہماری اس مجلس میں الحمدللہ دونوں طرح کے لوگ ہی موجود ہیں کہ جن پر رشک کرنا جائز ہے۔ قرآن پڑھنے والے بھی اور اپنے مال کو راہِ خدا میں خرچ کرنے والے بھی۔

ابھی افطاری میں ۱۵، ۱۲ منٹ باقی تھے تو جامعہ کے نائب شیخ الحدیث مولانا رمضان سلفی حفظہ اللہ کو دعوتِ خطاب دی گئی تو شیخ صاحب نے اس مختصر وقت کے اندر مختصر مگر جامع گفتگو فرمائی جس میں اُنہوں نے سنّتِ رسول ﷺ کی اہمیت و مقام بیان کرتے ہوئے بدعت کا رد فرمایا۔ اور کہا کہ ایک بندہ مؤمن کی یہ شان ہونی چاہیے کہ وہ آپ ﷺ سے منقول فرامین کو یاد کرے، خاص طور پر مختلف اوقات میں پڑھی جانے والی دعائیں ضرور یاد کرے۔ ابھی افطاری کے وقت

---

۱ صحیح بخاری: ۵۰۲۵؛ صحیح مسلم: ۱۸۹۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں بھی آپ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی دعا کو بھی یاد کرے جس کے الفاظ یہ ہیں: «ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللهُ »[1]

اس کے بعد شرکائے مجلس نے روزہ افطار کیا اور نمازِ مغرب ادا کی، نماز کے بعد پُر تکلف کھانے کا اہتمام تھا، کھانا کھانے کے بعد تمام مدعوین نے مدیر التعلیم سے اجازت چاہی تو انہوں نے تمام مدعوین کو بڑے ہی پیار و محبت اور بغل گیر ہو کر قیمتی تحائف دے کر رخصت کیا۔

اس طرح یہ تقریب سعید پایہ تکمیل کو پہنچی۔

شرکائے مجلس کے اسمائے گرامی

مدیر التعلیم ڈاکٹر حافظ حسن مدنی، نائب شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان سلفی، ڈاکٹر حافظ انس مدنی، ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی اور قاری محمود الحسن بن شیخ الحدیث مولانا عبداللہ بڈھیمالوی کے علاوہ

اساتذہ جامعہ میں مولانا محمد شفیع طاہر، حافظ شاکر محمود، مولانا مرزا عمران حیدر، قاری عارف بشیر، قاری محمد شفیق الرحمٰن، قاری بابر بھٹی، مولانا محمد اصغر

مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم طلبہ میں قاری سلمان محمود، حافظ عبد المنان مدنی، حافظ محمد زبیر مدنی، حافظ حبیب الرحمٰن، فواد بھٹوی، احسان الٰہی ظہیر، عبد الباسط، خضر حیات، محمد ابراہیم، محمد رضوان، قاری یحییٰ خالد اور راقم الحروف وغیرہ

قرائے کرام میں قاری داؤد منشاوی، قاری نعیم الرحمٰن، قاری اظہر نذیر، قاری اکمل شاہین، قاری تنویر خاور، قاری سلمان سلیم اور دیگر بہت سے افراد

آخر میں اس بات کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا جو ابھی تک میرے پردہ سماعت پر محفوظ اور نیا جوش ولولہ پیدا کرتی ہے، وہ یہ کہ واپسی کے موقع پر اُستاذِ محترم مولانا شفیع طاہر نے بڑے ہی رقت آمیز لہجے میں کہا کہ عوام الناس کی علما سے یہ بے لوث محبت و اُلفت دین اسلام اور قرآن وحدیث کی وجہ سے ہے اور یہ محبت نامہ اعمال میں گہرا اثر رکھتی ہے۔ جب میں نے یہ بات سنی تو میرے ذہن میں رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان گردش کرنے لگا:

" ایک صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کب برپا ہوگی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کے لئے تیاری کیا کر رکھی ہے تو اس نے کہا اور تو کچھ نہیں لیکن میرا دل اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے بھرپور ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا «أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ»...[2]

"تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تو نے محبت کی۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم کسی چیز کے ساتھ اتنا خوش نہیں ہوئے جتنا نبی ﷺ کے اس فرمان کو سن کر ہوئے "تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تو نے محبت کی۔ میں نبی اکرم ﷺ سے محبت اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ اپنی ان کے ساتھ اس محبت کی وجہ سے میں (قیامت کے روز) ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔"

تو علمائے کرام کی مجلس میں انسان کے کردار و عمل میں تبدیلی اور اُن سے محبت نجات کا باعث بن سکتی ہے۔ میری یہ دُعا ہے کہ اللہ ربّ العزّت ان تمام لوگوں کی دین اور علما کے ساتھ پُر خلوص اور بے لوث محبت کو قبول فرما کر ان کے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین!

۱ سنن ابو داؤد: ۲۳۵۷

۲ صحیح بخاری: ۳۶۸۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تبلیغ دین کے لئے مجلس التحقیق الاسلامی کی ایک اور عظیم و منفرد کاوش

'کتاب و سنت.کام' اور 'محدث فورم'

ISLAMIC INSTITUTE

اُردو زبان کی مقبول ترین
دینی ویب سائٹ اور فورم

یومیہ 5000 سے زائد وزیٹرز
دنیا بھر سے ہر لمحہ 600 تا 800 قارئین

فنی نگران:	علمی نگران:	زیر اہتمام:	زیر سرپرستی:
انجنیئر شاکر علی	حافظ محمد زبیر حافظ طاہر اسلام عسکری	حافظ انس نضر مدنی ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی	مولانا حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

خصوصیات

- اسلامی مضامین، کتب اور دینی رسائل کے لئے پہلی اُردو یونی کوڈ (سرچ وایڈٹ ایبل) ویب سائٹ
- اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لئے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
- یومیہ ضروریات کے مطابق خصوصی اور اہم مضامین
- ویب سائٹ کے ہر صفحہ اور سروس پر تبصرے وجائزے اور تاثرات وشماریات کی سہولت

جاری پروگرام

۱. شعبہ کتب: یومیہ دو کتب کا اضافہ (یونی کوڈ اور PDF) .... آن لائن کتب: ۸۴۵
۲. شعبہ مضامین: مختلف ایام اور حالات کی مناسبت سے شائع کیے جانے والے اہم مضامین
۳. محدث فورم: چار ماہ قبل شروع کیا جانے والا شرعی بحث و مباحثہ کا فورم .... اراکین: ۷۳۴، موضوعات ۱۹۰۲، ترسیلات ۱۱۹۷۶
۴. آن لائن شرعی کلاسز: دنیا بھر کے لئے تفسیر ابن کثیر اور صحیح بخاری کی آن لائن ہفتہ وار فری کلاسز
۵. شعبہ رسائل: روزانہ ایک رسالہ کا آن لائن اضافہ ... محدث کے ابتدائی ۱۰ سال کے شمارے آن لائن

درج ذیل ممتاز دینی رسائل پر کام جاری ہے:

a. ماہنامہ 'محدث' لاہور: پاکستان کا مشہور و معروف تحقیقی مجلہ
b. سہ ماہی 'رشد': علوم قرآن کے لئے مخصوص لاہور اسلامک یونیورسٹی کا ترجمان
c. ماہنامہ 'الحدیث' حضرو: حدیثی موضوعات اور عالمانہ تحقیقات پر مشتمل مقبول مجلہ
d. ہفت روزہ 'الاعتصام' لاہور: پاکستان میں جماعت اہل حدیث کا علمی ترجمان

مستقبل کے منصوبے

۶. شعبہ فتاویٰ: لاہور اسلامک یونیورسٹی کے فاضل اساتذہ کے فتاویٰ اور شرعی جوابات
۷. آڈیو سیکشن: پاکستان کے نامور علمائے کرام اور ممتاز قرائے عظام کی تقاریر و تلاوتیں
۸. لاہور اسلامک یونیورسٹی کی تین اسلامی لائبریریوں کی آن لائن فہارس کتب
۹. قرآن وسنت: قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے مستند اردو تراجم

www.kitabosunnat.com

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

www.kitabosunnat.com www.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 45 No. 4
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
  لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا
  اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا
  فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر
  دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہوکر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہوجانا زندگی سے فرار ہے
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے
مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700